ضروری اعلان

دسمبر ۱۹۲۹ء میں عرفان کا پہلا نمبر شائع ہوا۔ اس حساب سے نومبر ۱۹۳۰ء میں اسکا سال ختم ہوکر دسمبر ۱۹۳۰ء میں دوسرا سال شروع ہوتا ہے لیکن اب عزم یہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۱ء سے اسکے دوسرے سال کی ابتدا کی جائے وہ اسطرح کہ درمیان میں ایک مہینہ ناغہ کردیا جائے اسطرح دسمبر ۱۹۳۰ء تک ناظرین کے پاس پورے بارہ نمبر پہنچ جائینگے اور جنوری ۱۹۳۰ء سے دوسرا سال شروع ہوسکے گا۔ بنابریں ماہ صفر یعنی جولائی ۱۹۳۰ء کا نمبر شائع نہ کیا جائیگا۔ اور جونئی اصلاحات پیش نظر ہیں۔ اگر خدا کو منظور ہے تو انہیں اصلاحات کے ساتھ ماہ اگست کا نمبر حاضر خدمت ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

مودبانہ گذارش

عرفان کا ساتواں نمبر شائع ہو رہا ہے اور اکثر حضرات کے پاس پہنچ رہا ہے جن حضرات نے چار چار پانچ پانچ نمبر لیکر انکار فرمادیا۔ ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے اسلئے کہ یکسوئی تو ہوگئی لیکن جو حضرات برابر لے رہے ہیں اب مجبور ہوں کہ ان کو خریدار تصور کروں اور ساتھ ہی اسپر بھی مجبور ہوں کہ وی پی بھیجکر قیمت وصول کروں کوئی اخبار یا رسالہ چھ چھ سات سات مہینے نمونہ بھیجنے پر راضی نہ ہوگا یہ سب کچھ اسلئے کیا گیا کہ آپ عرفان کو کماحقہ پہچان سکیں اور اندازہ لگالیں کہ اس کا اجرا فی الحقیقۃ ایک خاص مذہبی خدمت کو مدنظر رکھتے ہوئے کامل عزم واستقلال کے ساتھ کیا گیا ہے اگر خدا چاہیگا تو اس عزم میں استقامت اور برکت عطا فرمائیگا اور ضرور فرمائیگا انا عند ظن عبدی خود اسکا ارشاد ہے میں اپنے بندے کے یقین کے پاس ہی ہوں

جن جن حضرات کا چندہ وصول نہیں ہوا اور وہ بہت ہیں انکی خدمت میں اگست یعنی ربیع نمبر بذریعہ وی پی پہنچیگا۔ اب جو صاحب واپس فرمائیں گے انکی نسبت اور تو کیا کہوں لیکن یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ بھائی اگر ہمارے پیسے گئے تو آپ کا ایمان ہی تشریف لے گیا اگر آپ کو ایمان کی پرواہ نہیں تو بارے ہمیں بھی دو سو چار سو کا ملال نہیں۔ والسلام

اطلاع

اپنے منہ میاں مٹھو بننا درست نہیں۔ لیکن امر واقعہ کے اظہار کو تعلّی و تفاخر سے تعبیر نہ فرمایئے میں اس شے سے کوسوں دور رہنا چاہتا ہوں مجھے اپنی بساط کا علم ہے اور اپنی کم مائگی معلوم مگر ہاں یہ امر واقعہ ہے کہ سات مہینے کے عرصہ میں جتنی دماغی محنت میں نے کی ہے وہ کسی رسالے کے اڈیٹر کو دو برس میں بھی شاید پیش نہ آئے۔ ماہ شوال کا نمبر جسطرح میں نے مرتب کیا ہے میرا ہی دل جانتا ہے۔ ایک ایسا مریض جسکے چہرے کا ورم گلے تک آچکا ہو۔ وہ دو تین تین وقت گزر جائیں کہ رزق کا دانہ گلے سے نہ اترے۔ تپ کسی وقت مفارقت نہ کرے اور اسی حالت میں جب ذرا سکون ہو قلم ہاتھ میں سنبھال لیا جائے۔ میری طاقت سے تو یہ کام باہر تھا خدا جانے کسطرح ہو گیا۔ خیر اب تو میں تندرست ہوں۔ اچھا ہوں۔ مطلب اس کہنے کا یہ ہے کہ اس کام سے میں تھکنے والا نہیں بشرطیکہ دلشکنی کے سامان پیدا نہوں۔

ماہ اگست یا ربیع نمبر میں میرا خیال ہے کہ میں ایک نہایت شستہ پاکیزہ۔ مہذب۔ بلند۔ اور پرلطف حکیمانہ مضمون پیش کر سکوں گا۔ سمجھدار طبقہ کے لئے اس میں نہایت لطیف پہلو ہونگے اسی نمبر میں ایک ایرانی شیعہ عالم کے مقالہ کا ترجمہ شائع ہوگا جو خاص عرفان کے لئے لکھا گیا ہے اس کے متعلق بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی عروج و زوال کے متعلق اس سے بہتر جامع اور بسیط مقالہ دیکھنے میں نہیں آیا ممکن ہے اسیطرح کچھ اور بھی دلچسپ ٹکڑے ہوں اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرات خوش مذاق اسے کہاں تک لبیک کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرفان

جلد ۱ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۳۰ء مطابق محرم الحرام سنہ ۱۳۴۹ھ نمبر ۷

شہادت عظمیٰ

ولایت کبریٰ
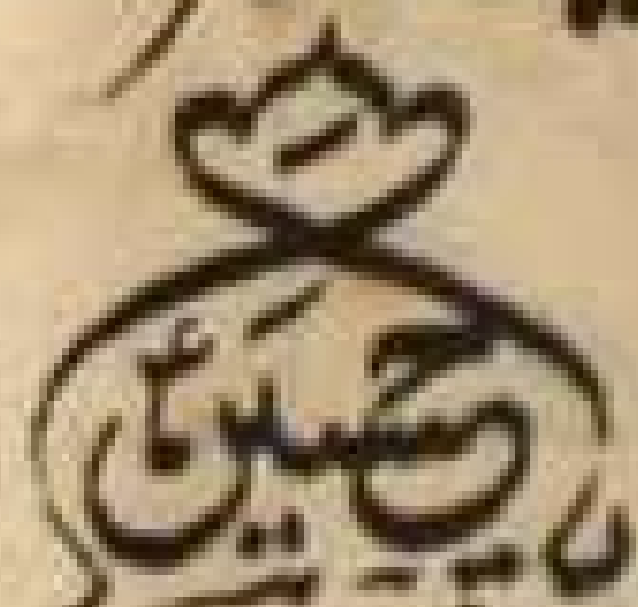
حسینؑ

عرفان کے لئے یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس شہید اعظم کے متعلق کچھ معارف اس کے صفحات پر جلوہ ریز ہوں ارباب زمانہ اور اہل قلم لکھ رہے ہیں۔ اور بہت کچھ لکھ رہے ہیں ہر تحریر میں مذاق ذاتی کی نمائش ہے اور ہر مقالہ اپنے محور کے مرکز خیال کا پتہ دے رہا ہے ہر شخص کی یہ سعی ہے کہ میں حسینؑ کو سمجھ لوں اور دنیا والوں کو سمجھا دوں لیکن میرا قلب مضطرب یہی پکارتا ہے کہ "ما عرفناک حق معرفتک" اے حسین اے ہستی بزرگ و برتر اے روح عالم۔ اے خلاصۂ کائنات اے زبدۂ ارواح مقدسہ۔ اے لبّ عقول قادسہ۔ اے جوہرۂ نبوت خاتمیہ۔ ہم نے تجھے نہ پہچانا جو تیرے

چھپانے کا حق ہوتا ہے۔ ہم نے مجالس بھی برپا کیں
آنسو بھی بہائے۔ ماتم بھی کیا۔ سینوں سے خون کے
فوارے بھی اچھالے اغیار کے طعنے بھی سہے۔ وہ
لوگ جو تیرے گروہ میں ہونے کا دعوای کرتے ہیں
ان کی زبان سے "امت گریاں کناں" کا خطاب
بھی لیا۔ تحقیر پر بھی صبر کیا۔ تذلیل پر بھی ضبط سے
کام لیا۔ لیکن یہ سب چیزیں آسان ہو جاتیں۔ اگر
ذرا تیری معرفت کی کوئی شعاع ہم پر پڑ جاتی۔ سب
کچھ ہوا۔ مگر افسوس یہ بھی نہ ہوا۔ ہم چل رہے ہیں۔ مگر
کس منزل کی طرف چل رہے ہیں؟ کچھ پتہ نہیں۔
تیرہ سو برس ہونے کو آئے نہ کسی حبیب کی جھلک
نظر آئی نہ زہیر کی۔ اپنی پسندیدہ ہوا میں اڑ رہے ہیں
اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے حسینؑ کو پا لیا لیکن جسقدر
اڑتے ہیں اسی قدر دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

جدید طبقہ جماعت کہنہ کو تند نگاہوں سے
دیکھ رہا ہے کہ اس طبقہ نے شہادت حسینی کی
عظمت کو زائل کر دیا۔ ایک حد تک میں بھی ان کا
ہمزبان ہونیکے لئے تیار ہوں۔ لیکن ساتھ ہی قلب کے
پردوں سے یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ طبقہ جدید نے
اس ہفت خواں کو کہاں تک طے کر لیا ہے جو لے
دوسروں پر چشمک زنی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

توضیح مقال یہ ہے کہ جب سے ایک جرمن
فلسفی کا مشہور مقالہ شائع ہوا اسوقت سے اہل قلم
کی یہ سعی حروف کی صورت میں کاغذ پر آنے لگی
کہ حسینؑ کو ایک بہت بڑا سیاست داں ثابت کر دیا
جائے اور بس۔ ابھی اس امر سے قطع نظر کیجئے کہ
جرمنی کا یہ حکیم آیا کوئی وجود خارجی بھی رکھتا ہے یا
نہیں۔ نقش معنوی کو دیکھئے اور غور سے دیکھئے تو
یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا اس شہادت سے یک
اور صرف ایک نتیجہ نکال رہا ہے۔ وہ کیا؟ اپنے
دشمن کی تباہی۔ اپنے رقیب کی بربادی وہ اسے
ایک حکیمانہ سیاست سے تعبیر کرتا ہے لیکن اسکی
نظر اس پہلو پر نہیں جاتی کہ دوسرا دماغ اسی سے
کو تیز و تند اور کورانہ حس انتقام سے تعبیر کر سکتا ہے۔
استغفر اللہ۔

سنئے! اور غور سے سنئے۔ میں اس کا منکر نہیں
ہوں کہ شہادت حسینی پر کچھ سیاسی آثار مرتب
نہیں ہوئے نہیں۔ ہوئے۔ ضرور ہوئے۔ اور
ہونے چاہئیں مگر یہ تو صرف طبعی اور طبعی آثار ہیں
عزم حسینی کو ان آثار تک محدود کر دینا اس شہادت
عظمی کے ساتھ ایک قسم کا تمسخر ہے۔ خدا ہمیں اور
تمہیں معاف کرے۔ ہم کب تک سیاست ناقصہ کی

عینک چڑھا کر حسینؑ کا مطالعہ کریں گے؟

عنقا شکار کس نہ شود دام باز گر

میرے دوستو! سنو۔ توجہ سے سنو! اصل میں جو معیار ہم نے حسینؑ کے لئے قائم کیا ہے وہ سرے سے غلط ہے۔ ذات حسینیؑ کو اگر پرکھا جا سکتا ہے تو صرف نبوت و ولایت کے معیار پر اس کے علاوہ اور کوئی میزان نہیں جو اس بارگراں کو وزن کر سکے لہذا چھوڑو ان ملعیات اور ظلمانیات کو چھوڑو۔ آؤ اس میدان میں قدم رکھنے کی سعی کرو جو طور موسوی سے بدرجہا مقدس ہے۔ وساوس و توہمات اور محبت غیر کی نعلین اتار دو اور پھر ہر شاخ و برگ سے "انا" "انا" کی آواز سن لو۔ یا حسینؑ

چہ شود زراہ کرم اگر نظرے بجانب ما کنی

کہ ز کیمیائے نظر مس قلب تیرہ طلا کنی

لغت میں شہادت

شہادت اور اسکی ماہیت

کے معنی "حضور" کے ہیں "غیب" کی ضد ہے ہم اپنی اس دنیا کو جو حواس خمسہ ظاہری سے محسوس ہوتی ہے۔ عالم شہادت رکھتے ہیں اور جو عالم ان حواسوں سے محسوس نہیں ہوتا وہ عالم غیب کہلاتا ہے۔ گواہ کو اسی لئے شاہد کہا جاتا ہے کہ وہ سامنے اگر حاضر ہو کر کسی واقعہ کا بیان کرتا ہے اور وہ وجود جو اپنے آپ کو راہ خدا میں فنا ہونے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اسے بھی "شہید" کہتے ہیں اور اسی "شہید" کا بیان اس تحریر کا عنوان ہے۔ اہل عرفان سے مخفی نہیں ہے کہ انسان کا مقصد اقصیٰ خداشناسی اور خداپرستی ہے۔ سوائے اسکے اور کوئی اسکا مقصد ہو ہی نہیں سکتا۔ جو لوگ انسان کو اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے آمادہ کرتے ہیں وہ فی الحقیقۃ انسان کی شرافت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو چیزیں انسانی زندگی کا مقصد بیان کی جاتی ہیں۔ وہ مقصد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں ہاں انہیں ایک حد تک اسباب خداپرستی و خداشناسی میں داخل کیا جا سکتا ہے ان اسباب کو مقصد سمجھ لینا ضعف دماغ کی دلیل ہے۔

زمزمہ قرآنی۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

(ہم نے جن وانس کو عبادت کے ہی لئے پیدا کیا ہے) انسان کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ حقیقت عظمیٰ تک رسائی حاصل کرنے میں ساعی ہو اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ عبادت بغیر معرفت ہو ہی نہیں سکتی لہذا روح انسانی کا فریضہ ہے کہ مبدء کی شناخت میں ساعی اور کوشاں ہو اسے تلاش کرے۔ اسے

ڈھونڈھے۔ مگر کہاں۔ کس جگہ۔ کیا وہ آسمانوں پر ہے؟ من قال علی ام فقد اخلی منہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ فلاں چیز پر ہے۔ یا یہ سوال کرتا ہے کہ وہ کس شے پر ہے وہ دیگر اشیاء کو اس سے خالی فرض کرتا ہے۔ پھر کیا وہ زمین میں ہے۔ من قال فیم فقد ضمنہ جو اسے کسی شے میں فرض کرتا ہے۔ یا یہ پوچھتا ہے کہ وہ کس شے میں ہے تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس شے میں سمویا ہوا ہے حلول کا قائل ہے۔ تعالی اللہ عن ذالک وجود خالص کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی ایک شے پر قیام کرے یا کسی شے میں حلول کر جائے وہ سب پر محیط ہے اسے کوئی شے گھیر نہیں سکتی۔

الغرض اسی ہستی کی معرفت میں ایک عالم سرگرداں ہے یہی وہ متلاطم اور طوفان خیز دریا ہے جس کی موجوں میں کائنات کا ایک ایک ذرہ بہ رہا ہے مگر صرف دو چار صحیح و سلامت ساحل تک پہنچنے والے تھوڑے اور بہت تھوڑے ہیں وقلیل من عبادی الشکور

ان رہروان میدان معرفت میں بیشمار قافلے نظر آتے ہیں ہر شخص اپنے اپنے حوصلہ کے موافق قدم اٹھا رہا ہے۔ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔ مخلوق کی جتنی سانسیں۔ اتنے ہی راستے نگران میں کاملین وہ ہیں جو اس منزل میں قدم رکھتے ہیں جسے "مشاہدہ" کہتے ہیں۔ اسی کا نام "رویت" ہے اسی کی طرف سالار قافلہ موحدین حضرت امیر المومنین ؑ نے اشارہ فرمایا ہے کہ "لم اعبد ربا لم ارہ" میں بن دیکھے خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ یہ مشاہدہ یا رویت ہر شخص کا کام نہیں ہے

حسرت ہے کہ پھر حسرت دیدار کروں میں
مل جائے کہیں سے مجھے دل اور نظر اور

لاتدرکہ العیون بمشاہدۃ العیان ولکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان یہ آنکھیں اسکے مشاہدہ کی تاب نہیں لا سکتیں۔ ہاں دل اور وہ دل جو حقیقت ایمانیہ کا حامل ہو اسے ادراک کر لیتا ہے یہ وہ ادراک ہے جسے "علم" معرفت مشاہدہ باطنی اور رویت قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو بہ نسبت مشاہدہ ظاہری نہایت قوی ہے۔ اس کی قوت کا بیان لفظوں میں نہیں ہو سکتا اگرچہ اس منزل میں بھی بے شمار درجات ہیں اور انبیا و اولیا علیہم السلام اپنے اپنے درجے کے موافق اس میں حصہ دار ہیں لیکن مشاہدہ کامل ان ذوات کاملہ کے لئے ہے جن پر کل کمالات ممکنہ کا خاتمہ ہو چکا۔ کہ اس سے فوق اب کسی ممکن کے لئے کوئی کمال ممکن نہیں۔ اور اس

منزلت عظمیٰ پر جو ہستی فائز ہوتی ہے۔ اس کے لئے
کوئی حجاب باقی نہیں رہتا جو اسے مشاہدۂ جمال حق
سے روک سکے ولی برحق کا ارشاد لو کُشِفَ الغطاءُ
ما ازددتُ یقیناً اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے
یعنی اگر میرے سامنے سے حجاب اٹھ جائیں تو میرے
یقین میں زیادتی نہ ہوگی۔ ہو نہیں سکتی اسلئے کہ حق
میں خلق کا مشاہدہ کرنے والا کسی حجاب سے محجوب
نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے حجاب کا عدم و وجود
یکساں ہے اسی منزلت کے حامل کو اسم شہید ہوتا
ہے وہ نام جو اولاً و بالذات خود ذاتِ واجب الوجود
کے لئے ہے۔

میں تاسف کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ
بہت کم قلوب ہوں گے جو اس رفتار میں میرا ساتھ
دے سکیں اسی لئے اس سے آگے جو کہنا چاہئے
نہیں کہتا۔ ہاں ربط کلام کے لئے اتنا کہنا چاہتا ہوں
کہ یہ شہادت عظمیٰ صاحب ولایت کبریٰ کی منزلت ہے
غیر کے لئے اس میں گنجائش نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے
کہ ولی برحق جس نفس میں قابلیت پائے اسے ہمراہ
لیلے۔ اور ناقابل اگر ساتھ بھی ہوں تو ان کے لئے
صدائے دور باش بلند ہوتی ہے یہی وہ شہادت ہے
جو ملکیت شفاعت کی دلیل ہے لا یملکون الذین
یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شھد
بالحق۔ (زخرف) وہ لوگ مالک شفاعت نہیں
ہو سکتے جو غیر خدا کو پکارتے ہیں۔ ہاں مالک شفاعت
وہ ہے جو مرتبۂ مشہود حق پر فائز ہو۔

ہر باطن ظہور چاہتا ہے

جس مرتبہ کی طرف اشارہ ہوا ہے
ظاہر ہے کہ وہ ایک باطنی چیز ہے لیکن لازماً ایک
مرتبہ کمال ہے۔ اس کمال کی شان یہ ہے کہ اسکا
ظہور بھی ہو اسلئے کہ ظہور کمال خود ایک کمال ہے
پس یہ مرتبہ ایسی چیز نہیں ہے کہ نقاب خفا میں
پوشیدہ رہ سکے بلکہ ضروری ہے کہ جسطرح عالم باطن
میں سوائے مشاہدۂ جمال مطلق اور کسی طرف اس
کی توجہ نہیں اسکا اثر عالم شہادت (دنیا) میں بھی
ظاہر ہو اور جسطرح باطناً اسے شہید پکارا جاتا ہے
اسی طرح سے ظاہراً بھی اسے شہید کہہ سکیں۔ اور جس
ہستی میں یہ دو صفتیں بطور کمال جمع ہو جائیں۔ البتہ
وہ شہید اعظم ہے۔ امام الشہدا ہے۔ افضل شہدا ہے
اور اسی لئے وہ نص مذکورہ بالا مالک شفاعت ہے۔

دفع دخل

ظاہر اور بدیہی ہے کہ شہادت
کا اسطرح سے ظہور کامل منزلتِ
حضرتِ ختمی مرتبت سے ہوا نہ ذات علوی سے۔ نہ کسی

اور امام سے۔ حالانکہ اس صفت باطنی یعنی مشاہدہ
جمال الوہیت پر نظر کرتے ہوئے ان میں کوئی
فرق نہیں معلوم ہوتا۔ صاحب سر الشہادتین نے
اگرچہ اور آئمہ کو داخل نہیں کیا۔ لیکن حضرت رسالت
کی ذات پر ان کی بھی نظر پڑی ہے اور وہ اس شبہ کا
حل اسطرح سے فرماتے ہیں کہ ذات ختمی مرتبت
کو خداوند عالم نے ہر کمال سے آراستہ کیا تھا لیکن
مرتبہ شہادت حضرت کو حاصل نہیں ہوا اسکا سبب
یہ تھا کہ حضرت اگر اسوقت شہید ہو جاتے تو اسلام
دہیں مٹ کر رہ جاتا لہذا اس کمی کو پورا کرنے کیلئے
دونو اسے آپ کو عطا کئے جو آئینہ سراپائے محمدی
تھے اور ان دونو کے توسط سے مرتبہ شہادت
کی بھی آپ کے لئے تکمیل ہو گئی۔ خیر یہ بیان ان کے
مذاق میں جیسا بھی ہو ہمیں اس سے بحث نہیں ہے
ہمارے خیال میں تو ذات محمدی صفت شہدیت سے
کسی وقت بھی خالی نہ تھی۔ لیکن عالم ظاہر میں اس کا
ظہور کامل مناسبت زمانہ سے بھی بہت کچھ تعلق رکھتا
ہے اور وہ ظہور ہو نہیں سکتا۔ جب تک کہ اسکی ضد
کامل موجود نہ ہو۔ پیغمبر کے زمانہ میں اس میں شک
نہیں کہ بڑے بڑے معاندین قریش اور کفار سرکش
موجود تھے مگر باوجود اس کفر و شرک کے ان میں

غیرت تھی۔ حمیت تھی۔ عصبیت تھی۔ وہ برے سے
برا سلوک جو پیغمبر کے ساتھ کر سکتے تھے یہی تھا کہ
کہ ان سے مقاطعہ کر لیں یا ان کو اور صرف ان
کو قتل کرنے کی تدبیر کریں۔ بس ان کی شقاوت
کا درجہ یہیں تک تھا اہنیں اگر عداوت تھی تو صرف
پیغمبر کی ذات سے عداوت تھی وہ متعلقین پیغمبر سے
کوئی سروکار نہ رکھتے تھے بالخصوص مخدرات پیغمبر
کو تکلیف پہنچانے کا خیال بھی ان کے دماغ میں
نہ گزرتا تھا۔ پس ضد کامل حسینؑ کے وقت میں پائی
گئی یہ بات نہ پیغمبر کے عہد میں تھی۔ نہ علی مرتضیٰؑ کے
زمانہ نے۔ ایسا شقی ہر زمانے میں پیدا نہیں ہوتا
کہ شہید کا سر اسکے سامنے رکھا ہو اس کے عیال
سامنے قیدی کی صورت میں کھڑے ہوں۔ وہ شقی
مشغول شراب و قمار ہو اور زمین اور آسمان والوں
کی لعنت سے بے پروا ہو کر اس سر کے ساتھ ڈھٹائی
کرے کیا ایسا شقی القلب آفرینش عالم سے لیکر
اسوقت تک پیدا ہوا ہے؟ تاریخ خاموش ہے۔

رجوع بمطلب

خلاصہ مقال یہ ہے کہ وہ وجود عالی جو
باطناً مشاہدہ جمال الوہیت میں محو ہے اور کوئی
حجاب اسکے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ تو اس عالم ظاہر

میں ظلمانی پردے جب یہ چاہتے ہیں کہ اسے اسکے مرکز سے ہٹادیں۔ اسوقت یہ قوت پوری شدت سے مقاومت کرتی ہے اور ان پردوں کو سوختہ کردیتی ہے۔ اہل بصیرت سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اس دنیا میں انسان سے جو افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اسکی باطنی حالت کو آشکارا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ حسینؑ کے توسط سے جو واقعہ دنیا میں ظاہر ہوا۔ وہ بتا رہا ہے کہ سینۂ حسینؑ میں کونسی حرارت پوشیدہ ہے۔ دنیا کو کہا رہی تھی۔ حسینؑ کو ایک ایسا ہی انسان سمجھا جا رہا تھا جیسے کہ اور انسان ہوا کرتے ہیں۔ انکی تعظیم صرف اس بنا پر کیجاتی تھی کہ وہ رسول کے نواسے ہیں۔ یہ ایک شرف ہے اور ضرور ہے لیکن اس سے باطن حسینی پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بعض وقائع پر جب نظر پڑتی ہے تو مجھے اس بزرگوار سے کچھ حسن ظن نہیں رہتا حضرت علی مرتضی کی صحبت میں عمر گزار دی مگر انمیں وہ شان نہ پیدا ہوئی جو دوسرے تلامذہ میں نظر آتی۔۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی قشری تھے اور قشری ہی رہے سرکار حسینی میں مشورہ دینے کے لئے حاضر ہوئے اول تو انہیں غور کرنا چاہئے تھا کہ کیا حسینؑ میری مشورے کے محتاج ہیں؟ لیکن جس وقت لسان اللہ سے یہ کلمہ جاری ہوا کہ شاء اللہ ان یرانی قتیلا (مشیت الہی میں گزر چکا ہے کہ وہ مجھے قتیل دیکھے) اسوقت کونسی چیز ان کو ساتھ دینے سے مانع تھی۔ ساتھ نہ دیتے۔ مگر زبان سے تو کہہ دیتے کہ اگر یہ حالت ہے تو جہاں آپ وہاں میں۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔ یہ دیکھتے رہے اور فرزند پیغمبر ابنائے دہر کی بیوفائیوں پر مسکراتا ہوا مخدرات حرم کو ساتھ لیکر مکہ سے نکل گیا۔ اب ابن عباس کو ابن زبیر پر طعن و تشنیع کا موقعہ مل گیا۔ اسی طعن و تشنیع سے پتہ چلتا ہے کہ ابن عباس کا خیال صرف اسی سیاست ناقصہ پر جما ہوا تھا جو آجکل ابنائے زمانہ کے پیش نظر ہے۔ واقعا جب صدر اول کے اسی حضرات مشاہیر ایسے قلیل المعرفت ہوں تو وائے بر حال ما۔

ولایت کبریٰ بے نقاب ہوگئی وقت آگیا تھا کہ ولایت کبریٰ اپنے حقیقی رنگ میں نمودار ہو۔ حضرت رسالت سے ولی کی ایک شان منقول ہے اور وہ عجیب و غریب شان ہے فرماتے ہیں من لم یجد اخوانا ولا فی الدین اعوانا۔ نہ کوئی اسکا بھائی بند پایا جائے اور نہ کوئی اسکا دینی مددگار۔ جو انصاف سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ شان ہی حسینؑ پر ختم ہوگئی نعرۂ ھل من ناصر کو یاد کرو اور وہ بارے حزن میں

ڈوب جاؤ۔ حقیقۃً ظہورِ ولایت کا وہ خاص وقت تہا
جب یہ بزرگوار بالکل یکہ و تنہا میدان میں کہڑا تھا۔

نہ لشکرے نہ سپاہے و کثرت اناسے
نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

عزیزوں کے کشتے سامنے تھے۔ اصحاب کی لاشیں
نظر میں تہیں۔ طفل شیرخوار کی میت پیوند خاک کی جاچکی
تھی۔ تشنگی کا وہ عالم جس کی خبریں دی جاچکی تہیں۔
یحول بینہ وبین السماء کالدخان۔ پیاس زمین کے
اور آسمان کے درمیان دہوئیں کی طرح حائل ہوجاتی
غربت زدہ سیدانیوں کے نالے آسمان سے ٹکرا رہے
تھے۔ بشکستگی کمر کا پیغام آچکا تہا۔ نور بصر کا فرق تہا۔ بازو
سے خون بہ رہا تہا۔ لشکر میں ہیجہ ہوا۔ شماتت کی آوازیں
کان میں آئیں۔ آسمان پر نظر کی۔ چہرے پر سرخی دوڑنے
لگی۔ ہاتہ آستین کی طرف بڑہا۔ متانت سے بڑہا۔ نورانی
کلائی برہنہ ہوئی۔ ذوالفقار کے قبضہ نے ہاتہ چوما۔ طوفان
باد بہا۔ سحاب غضب بنکر بڑہا۔ بجلی چمکی۔ اب جو دیکہا
تو یہ انسان حقیقی جس کی کتاب عمر کے ستاون ورق
الٹ چکے ہیں۔ بپھر کر پہٹے اور پیہم حملے کر رہا ہے
سوار بے حواس۔ پیدل ہراساں۔ جمی ہوئی صفیں ٹوٹ
ٹوٹ گئیں اور ساری فوج درہم برہم ہوگئی

یہ کیا چیز ہے؟ یہ کونسا جذبۂ شجاعت ہے؟

خود فکر و تدبر سے کام لو۔ مسلمہ تاریخ ہے کہ بحالت
جنگ میں یہ بزرگوار شہید نہیں ہوا۔ یہ حالت جنگ
میں زخم کہاکر گہوڑے سے نہیں گرا۔ اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت خاص میں کسی کو اس کے
سامنے ہونے کی جرات نہ تہی۔

فی الحقیقۃ یہ شجاعت ولایت کبریٰ کی ایک
شعاع تہی جو اہل بصیرت کے سامنے فروزاں ہوئی
اور ابد الآباد کے لئے چشم ایمان کو روشنی عطا کر گئی
حسین اب ہم میں علی الظاہر موجود نہیں ہیں۔ لیکن
اس وقت بہی دیکہو کہ وہ قلوب جن پر تعصب کے پردے
نہیں پڑتے آج ان پر کس کی حکومت ہے۔ نہیں یوں
کہے کہ ہر قلب کس کا محکوم ہے؟

فنا فی اللہ و بقا باللہ } اہل معرفت کہتے ہیں کہ مشاہدہ جمال الوہیت کا خاصہ رویت ہے یعنی
ایسا وجود کلیۃً اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ ماسوا
اللہ سے کوئی تعلق نہیں رکہتا وہ سب سے بے خبر
مگر اسی ذات واحد و یکتا سے خبردار اور چونکہ اس سے
نمود رب مبدا سب سے خبردار ہے۔ اسی کیفیت کو
کو فنا کہتے ہیں اس مقام میں جو خلقت و بادشاہی کو
عطا ہوتا ہے۔ اسکی ساخت و وضعت صفات شاہانہ
سے ہم آہنگی ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جو

بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب اختیار کرتا ہے میں
اسکی قوت سامعہ ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے میں اسکی
قوت باصرہ ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ اسیطرح
یہی نتیجہ نکال لو کہ ایسے شخص کی حیات خدا کی حیات
ہے اب وہ باقی ہے اور بقاء الٰہی کے سائے میں باقی
ہے۔ یہی ہے وہ رزق خاص جسکی طرف قرآن اشارہ
کر رہا ہے کہ جو لوگ راہ خدا میں قتل ہوئے انہیں مردہ
نہ کہو۔ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے روزی
پا رہے ہیں۔

جب یہ ایک عام اصول ہے تو حسین علیہ السلام جو
امام الشہداء ہیں جنکی شان فنا فی اللہ حسیؔ طور پہ دنیا کی
سامنے اس رنگ میں ظاہر ہوئی کہ عام انسان تو کیا
مقربین حیرت میں آ گئے۔ اب سمجھ لو کہ اس کی بقا کس
شان کی بقا ہے۔ میں اس بقا کی توضیح اور علمی توضیح
ہی کرنے سے بوجوہات معذور ہوں۔ ہاں اتنا کہنا ضرور کہ
سمجھتا ہوں کہ یہ بقا بھی ایک شان ولایت کبریٰ ہے۔
یہ رشتہ کلام تو ایسا ہے کہ جتنا غور کرو اتنا ہی دراز
ہوتا چلا جائیگا۔ یہ ختم ہونے والی چیز نہیں ہے لہذا
اس شہادت عظمیٰ یا ولایت کبریٰ یا حیات الوہیت
کے اسرار و غوامض کو تو انہیں ہستیوں کے حوالے کیجے
جو اس کی مالک ہیں۔

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

ہمیں اب بھی سوچنا چاہیے کہ اپنی تاریک بزم کو
ہم اس سے کیونکر نورانی کریں۔ آج تک ہونے اس سے
کیا استفادہ کیا اور آئندہ کیلئے اس کی کیا گیا
صورتیں ہونی چاہئیں۔ اس بحث کو میں طول نہیں
دینا چاہتا مختصر لکھونگا۔ اور بہت مختصر۔ شیعوں کو
آج تک جو فائدہ اور جس قسم کا فائدہ اس ذات سے
پہنچا اسکے متعلق کافی لکھا جا چکا ہے اور اکثر چیزیں
ایسی ہیں جو مشاہد و محسوس ہیں لکھنے کی ضرورت نہیں
لیکن آئندہ کے لئے آیا ہم انہیں چیزوں پر قناعت
کرلیں یا اور بھی دست طلب بڑھائیں؟ میرا خیال
ہے کہ ہم نے ابھی تک بالقصد اور بالارادہ کوئی فیض
حاصل نہیں کیا اگر کر لیتے تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ
بر خلاف ہوا کا جھونکا ہمیں جدہر چاہتا اڑا لیجاتا ہے
اسوقت نہ ہمارے لئے کوئی مرکز باقی ہے اور نہ ہماری
زندگی کا کوئی محور ہے۔ حسِ مذہبی اور حیات ملی کی
کوئی شان ہم میں نظر نہیں آتی۔ تمام مجمع۔ تمام انجمنیں
تمام مجالس و محافل سب بے سود نظر آتی ہیں اور ان
سے ہماری زندگی میں کوئی خوشنما انقلاب نظر نہیں آتا۔
آجکل ہم انقلاب کے خواہشمند ہیں۔ لیکن کیسا
انقلاب؟ کس قسم کا انقلاب؟ وہ انقلاب جسے اپ

صاحب بصیرت "من النور الی الظلمات" کہہ سکتا
ہے اور بالیقین ایسا ہی ہے۔

دو برس سے پہلے پہلے مجھے شیعہ قوم کی طرف
سے ایک حسن ظن تھا۔ وہ یہ کہ اس قوم میں ایک چیز
ایسی ہے جو اسے کسی نہ کسی وقت ابھار دیگی۔ وہ یہ کہ
انہیں حسینؓ سے تعلق ہے اور حسینؓ کے معاملے میں
ان کے قلب ایک خاص جوش سے لبریز ہیں لیکن اس
عرصہ میں اندازہ کر لیا گیا کہ یہ خیال ہی غلط ہے یہ قوم
اب حسینؓ کے بارے میں بھی بے حسی کا ثبوت بہم
پہنچا رہی ہے۔

آپ ہرگز اس بات پر نازاں نہوں کہ محرم کے زمانے
میں بہت سے مضامین مختلف جرائد و مجلات میں شیعوں
کے قلم سے نکل کر دنیا میں شائع ہوتے ہیں۔ شاید آپ
خیال کرتے ہوں گے کہ جوش و خروش کا جو طوفان
کاغذ پر نظر آتا ہے وہی دل میں بھی ہوگا؟ ہرگز نہیں
یہ تو محض اب "فیشن" کیلئے ہے یا تجارت کی خاطر۔
لطف دیکھئے کہ اگر کسی مخالف تشیع کی زبان سے
حسینؓ کے خلاف کلمہ نکلتا ہے تو ہم بہت شور و غل
مچاتے ہیں ہم اسے اپنی مذہبی توہین سمجھتے ہیں لیکن
اگر کوئی شخص شیعوں کی صف میں داخل ہو کر سرتاج
مظلومین کی توہین کرتا ہے تو ہم اسے شیر مادر کی طرح
پی جاتے ہیں۔ لعنت ہے اس تشیع پر جو حسینؑ کی توہین
و تذلیل پر راضی ہو لعنت ہے اس خبیث النفس بےدین
پر جو حسینؑ کو آغا خان اور حسن بن صباح وغیرہم کی
صف میں کھڑا کرے۔ بجز حیرت اور تعجب کا تو یہ
مقام ہے کہ ہندوستان کے شیعہ کہ جن میں بہت سے
نوابی ہوں گے قطعاً انہیں اس امر کا احساس نہ ہوا
اب دو ہی باتیں ہیں یا تو۔

ایمان لپٹ کر رہ گیا قبر حسین سے

اور یا یہ کہ اتنے احمق ہیں کہ انہیں کسی بات کے
سمجھنے کا مادہ باقی نہیں رہا خیر یہ زخم تو اب مندمل نہ ہوگا
اب میں ان سے کہتا ہوں جو شیعہ ہیں اور اپنی حقیقی
بقا چاہتے ہیں کہ یہ بقا حاصل نہیں ہو سکتی جب
تک کہ اس وجود سے اتصال نہ پیدا کیا جائے
جس سے حیات الوہیت کا فوارہ چھوٹ رہا ہے۔ اس
اتصال کی صرف ایک تدبیر ہے اور سوائے اسکے
کچھ نہیں یہ تمام مجالس۔ تمام ماتم داریاں تمام
نوحہ خوانیاں تمام مواعظ و نصائح بالکل بے کیف
ہو رہے ہیں اسلئے کہ اتصال ٹوٹ چکا ہے اور ہم
سے یہ افعال ظاہری محض ایک قوت قہری کی بنا پر
ظاہر ہو رہے ہیں مثلاً اب جسم ہی جسم ہے۔ روح
نابود ہو چکی ہے۔

اس اتصال کی تدبیر کیا ہے؟ ٹوٹے ہوئے رشتہ کے جوڑنے کی کیا سبیل ہے؟ صرف یہ ہے کہ

حسین سے بیعت کرلو

اور ہر سال تجدید بیعت کرو اگر واقعاً شیعہ اس پر آمادہ ہوگئے۔ تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ ایک سال کے اندر ہی اندر ان کی زندگی میں کتنا انقلاب ہو چکا ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ شیعہ سب کچھ کریں گے مگر بیعت حسینی پر آمادہ نہ ہونگے۔ خیر ممکن ہے کوئی سعید اس تنبیہ سے فائدہ اٹھالے۔ لہذا ایک مختصر تحریر اسی مطلب کے متعلق لکھ دی جاتی ہے اور اس تحریر کو یہیں ختم کر دیا جاتا ہے۔

خواتین کربلا

اس دنیا میں عورت کی مثال اگر ہم غور کریں تو بالکل نفس انسانی کی مثال ہے جو مرتبہ جسم انسانی میں نفس کو حاصل ہے وہ ہی مرتبہ عالم کبیر میں عورت کو حاصل ہے۔ عالم تن میں جو رتبہ نفس کے لئے ہے وہ بالکل وہی ہے جو عالم انسانیت میں حضرت حوا کے واسطے۔ جسطرح نفس اور روح کے اتصال قلب کا ظہور ہوتا ہے۔ اسیطرح آدم و حوا کی تزویج سے ذریت آدم کی نشو و نما ہوا۔ جسطرح نفس کے بغیر روح کا فیض جسم انسانی تک پہنچ سکتا۔ اسی طرح عورت کے بغیر مرد کے اکثر اخلاق کی تلاش نہیں ہو سکتی جسطرح نفس جب محض تازہ ہوتا ہے۔ تو انسان کو سوائے بدی اور شرارت کے کسی اور طرف دعوت نہیں دیتا۔ اسی طرح عورت اگر بد ہو تو مرد کو ساتویں درجے ادھر نہیں بخشتی۔ لیکن نفس اگر مصفیٰ و پاکیزہ ہو تو انسان کو فیوض ملکوتی کے قابل بنا دیتا ہے۔ اسی طرح عورت اگر نیک ہو تو مرد کو اعلیٰ علیین تک پہنچا دیتی ہے۔

اگر انسان غور کرے تو دنیا کی تمام ہیاہو میں عورت کا کافی حصہ ہے۔ ذرا سوچو اور غور کرو تو معلوم ہوگا کہ عورت کے بغیر مرد کی زندگی ایک سنسان اور اجڑی ہوئی زندگی ہے۔ مرد اگر دل ہے تو عورت اسکی روشنی۔ مرد اگر پھول ہے تو عورت اسکی خوشبو۔ مرد اگر آنکھ ہے تو عورت اسکی نگاہ۔ مرد اگر مجسمہ کمال ہے تو عورت ان کمالات کے

انظہار کی محرک بلکہ یہاں تک بھی کہا جا سکتا ہے
کہ مرد ایک مشین ہے جسکو حرکت دینے والی عورت ہے۔
اس بیان سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ
عورت کو مرد پر کوئی تفوق اور برتری حاصل ہے
بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ مرد عورت کی طرف ایک
عجیب و غریب میلان فطری رکھتا ہے اور اسی بنا پر
عورت اسکی مطلوب ہے اسکی محبوب ہے۔ لہذا
مرد عورت کے سامنے ہر طرح اپنا وقار ثابت رکھنا
چاہتا ہے تاکہ محبوب کی نظر میں اسے خفت نہ حاصل
ہو اسلئے کہ مرد کے واسطے سب سے بڑی ذلت یہ ہے
کہ وہ عورت کے سامنے بے وقر ہو جائے۔

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ بیٹھے تھے
ایک چڑا اپنی چڑیا سے کہہ رہا تھا کہ تو مجھے کب تک
اپنے سے دور کرتی رہیگی۔ میں وہ قوت رکھتا ہوں کہ
اگر چاہوں تو سلیمانؑ کا قبہ اپنے پنجوں میں اٹھا کر
دریا میں پھینکدوں۔ حضرت سلیمان نے یہ کلام
سنا تو اسے بلوایا اور سرزنش کے طور پر پوچھا گیا
گندرے تھے اس نے کہا یا نبی اللہ۔ عاشق کو اسکی
باتوں پر ملامت نہیں کیجا سکتی۔

واضح ہو کہ ملکہ شجاعت اور حس غیرت کی سب سے
زبردست محرک عورت ہے۔ عورت کی آواز میں ایک
ایسی بجلی ہے جو ایک مرتبہ نامرد سے نامرد کو بھی
مقابلہ کے لئے کھڑا کر دیتی ہے۔ عرب اکثر لڑائیوں
میں عورتوں کو ساتھ رکھتے تھے تاکہ اگر دشمن
کے مقابلہ میں ان کے پاؤں اکھڑ جائیں تو عورتیں
ان کے پاؤں میں غیرت کی زنجیریں ڈالدیں عرب
میں وہ شخص نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا
جو اپنے ناموس کی کامل حفاظت کرے یا حفاظت
کرتے ہوئے جان دیدے۔ اسکو حامی الحقیقۃ
کہتے تھے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ قوائے شہوانیہ میں تو مرد
و عورت دونوں برابر ہیں مگر یہ قوت غضبیہ ہے۔ جس
میں مرد ایک امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی لئے
عورت کے عواطف قلبیہ اس صفت کی طرف اکثر
و بیشتر مائل ہوتے ہیں جسے شجاعت کہتے ہیں۔
ہمارے نوجوان اس مسئلہ کے سمجھنے میں بھی سخت
غلطی کرتے ہیں وہ عورتوں کی توجہ کو اپنی طرف
جذب کرنا چاہتے ہیں گر انہیں کی مشابہت اور
نزاکت پیدا کر کے۔ حالانکہ اس نزاکت اور مشابہت
کو عورت کا دل اصولاً کسی قسم کی عزت دینے کیلئے
تیار نہیں ہے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا اصل مطلب یہ ہے

کہ مرد کی زندگی پر عورت کا عجیب و غریب اثر ہے وہ اپنے چند لفظوں سے مرد کی حس غیرت و عاطفۂ شجاعت کو بیدار کر سکتی ہے۔ لیکن یہ اسوقت ہوتا ہے جب عورت کی نگاہ میں غیرت و عفت اور حمیت مذہبی و ملی کی کوئی قدر ہو اسے اپنی موقعیت کا احساس ہو۔ وہ اس بات کو سمجھتی ہو کہ میری عزت کا مدار میرے شوہر کی عزت پر ہے اسوقت وہ ہرگز اس بات کی روادار نہو گی کہ خود اس سے یا اس کے شوہر سے کوئی ایسا فعل ظاہر ہو جو اسکی یا اس کے شوہر کی نیکنامی کیلئے داغ سیہ بن جائے اور جو عورت مرد کو صرف اپنے حسن کا تماشائی قرار دے۔ وہ شوہر کو اسی وقت تک دوست رکھے جب تک کہ وہ اسکے حسن کی افزائش کے لئے دلال ثابت ہو اس کی فرمائشات حسن افزا کی بلا چون و چرا تعمیل کرتا رہے ایسی عورت ایک خوشنما سانپ ہے جو دیکھنے میں تو نظر فریب ہے لیکن زہر سے بھرا ہوا۔ سونے کی چھری ہے جو ہر وقت مرد کا پہلو زخمی کرنیکے لئے آمادہ ہیرے کی کنی ہے کہ ادہر حلق سے اتری اور جگر کو تراش گئی وہ شیطان کا تقوی شکن جال ہے کہ جو اس میں الجھا۔ عزت و ناموس و ننگ و مذہب و ملت کو ہاتھ سے دے بیٹھا۔

کربلا کا واقعہ جسطرح مجموعی طور پر اپنی نظیر نہیں رکھتا اسی طرح جب اسکا تجزیہ کیا جائے اور ایک ایک جزو پر نظر ڈالی جائے تو اس میں بہت سی چیزیں ایسی ملیں گی جو مہمات تاریخ کی صف میں جگہ لیتی ہیں خصوصاً عورتوں کے واقعات کہ وہ بجائے خود عجیب طریقہ سے حیرت افزا ہیں۔

کربلا کی مشہور خاتون محترمہ یعنی حضرت زینب بنت علیؑ کا ذکر مقصود نہیں ہے اسکی شان تو عجیب و غریب شان ہے۔ جسطرح حسینؑ کے بارے میں عقلیں حیران ہیں اسی طرح اس مقدس بی بی کے بارے میں بھی عقلوں کو کچھ کم حیرانی نہیں۔ بس یہ کہنا شاید کافی ہو کہ یہ مخدرہ سیدۃ نساء العالمین کی حقیقی جانشین ہے۔ امر شہادت کو اتمام تک پہنچانیوالی اور شہادت حسینی کی تکمیل کرنے والی یہی بی بی ہے اس کے صبر و شکر و تسلیم و رضا و زہد و عبادت و علم و کمال کے مقابلے میں انبیائے سابقین بھی نہیں آسکتے۔ خواہ وہ اولوالعزم ہوں یا غیر اولوالعزم ہاں دیکھنا ان بی بی کا ہے جو انسانوں کے اسی معمولی طبقہ میں داخل ہیں جسمیں ہم اور آپ ہی داخل ہیں ان خواتین میں سب سے پہلے زہیر بن قین بجلی علیہ الرحمہ کی بی بی کا نمبر ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ "ارشاد" میں بیان کرتے ہیں کہ ایک جماعت بنی فزارہ و بنو بجلیہ کا بیان ہے کہ ہم زہیر بن قین کے ساتھ مکہ معظمہ سے مشرف ہوئے اور اعمال حج سے واپس ہو کر جلدی ہی پلٹ گئے راہ میں فرزند رسول کی ہمراہی میسر ہو گئی لیکن ہمیں حضرت کے ہمراہ رہنا کچھ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔" حقیقۃً جب دنیا بدلتی ہے تو ابنائے زمانے کے رخ ہی بدل جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت تھا جبکہ اہلبیت سے مسلمانوں کے دلوں میں کراہت پیدا ہو گئی تھی اور کیوں ہو گئی تھی؟ اسلئے کہ حکومت کی نگاہیں ان کی طرف سے بدلی ہوئی تھیں۔ انہیں خوف تھا کہ ان کے ساتھ کہیں ہم بھی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان کا بیان ہے کہ منزل ذرود میں ہمیں قسمت نے ایک جگہ جمع کر دیا ایک طرف حضرت کے خیام نصب ہو گئے اور دوسری طرف ہم نے اپنی چادریں قائم کر لیں۔ خیموں کی درستی سے فارغ ہو کر دسترخوان پر بیٹھے کہ حضرت حسینؑ کی طرف سے ایک قاصد آیا۔ خیمہ میں داخل ہوا۔ سلام کیا اور کہا کہ فرزند رسول نے سلام کہا ہے اور زہیر کو بلایا ہے۔ یہ سنتے ہی تلخی اوقات کے سبب سے ہم نے جواب نہ دیا اور لقمہ ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ زہیر کی بی بی بھی ہمراہ تھی۔ پس پردہ بیٹھی تھی۔ اس نے یہ پیغام بھی سنا اور ہماری حالت بھی مشاہدہ کی اور وہیں سے پکاری کہ سبحان اللہ زہیر تمہیں روح رسول سے ذرا بھی حیا نہیں آتی کہ اسکا لخت جگر تمہیں بلا رہا ہے اور تم ساکت ہو۔ جاؤ۔ اٹھو۔ دیکھو۔ کہ اگر کوئی فرمائش کریں تو پوری کرو ورنہ پلٹ آؤ" یہ کچھ عجیب لفظ تھے۔ جنہوں نے زہیر کو گویا خواب غفلت سے چونکا دیا اور پھر جو کچھ اس بزرگوار سے ظاہر ہوا وہ ہوا۔ لیکن انصاف کی زبان برابر پکارے گی کہ زہیر کی بی بی اس جہاد میں برابر کی شریک ہے۔ یہ ہے وہ عورت جسنے اپنی شوہر کو ظلمات سے نکالا اور عالم نور میں روانہ کر دیا۔ رحمۃ اللہ علیہا۔

خواتین کربلا میں ایک تازہ مسلمہ وہب بن عبداللہ کلبی کی ماں پر نظر ڈالو اس کے ساتھ ہی اس کی بی بی کو بھی دیکھو جو ابھی تازہ عروس تھی۔ ماں بیٹے کو پکارتی ہے کب؟ جبکہ وہ جان دینے کے لئے تیار ہے اور زوجہ سے آخری رخصت کے کلمات کہہ رہا ہے۔ بیٹا۔ بہت دیر ہو گئی۔ وقت ہاتھ سے جاتا ہے۔ کہیں محبت کے فریب میں نہ آجانا وہب میدان میں جاتا ہے مردانہ جنگ کرتا ہے

زخم کھا کر گرتا ہے۔ اس کا سر کاٹ کر خیام حسینی کی
طرف پھینک دیا جاتا ہے ماں بیٹے کے سر کو دیکھتی
ہے۔ اٹھا لیتی ہے اور لشکر میں پھینک دیتی ہے
تو بیبیاں وفا یاد دلانے کیلئے خاوند کی لاش پر پہنچتی ہے۔
اور کہتی ہے کہ تم اکیلے جا رہے ہو۔ شرط یہ تھی کہ
میرے بغیر اس عالم میں قدم نہ رکھنا جہاں غم والم
کا نشان نہیں۔ وہ عالم بیدب میں اپنی لازوال محبت
کی داستان کہہ رہی ہوگی۔ اسی اثنار میں ایک بے حیا
گرز کا وار کرتا ہے۔ اس عروس کا سر شگافتہ ہوتا ہے
شوہر کے پہلو میں گر جاتی ہے۔ دنیا میں غیر فانی الفت
کا فسانہ چھوڑتے ہیں اور دونوں زن و شوہر عالم سرور
ابدی میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ایک کمسن ہشت سالہ لڑکا خیمہ سے نکلتا ہے
میدان کی طرف بڑھتا ہے۔ نیزہ کی گرفت نہیں کر سکتا
سردار نے روکا اور کہا۔ جاؤ تم خیمہ میں چلے جاؤ۔
تمہاری والدہ کیلئے تمہارے باپ (مسلم بن عوسجہ)
کا ماتم کافی ہے۔ لڑکا جواب دیتا ہے کہ مجھ کو میری ماں نے ہی بھیجا ہے

اس بحث سے محض آپکی توجہ اسطرف منعطف
کرنی مقصود ہے کہ عورتوں کو اگر واقعاً کار آمد
ہستی بنانا چاہتے ہو تو خواتین کربلا کا کیرکٹر ان میں
پیدا کرو۔ اونچی ایڑی کے شوز۔ زلف تراشی اور بے حجابی
سے عورت میں کوئی خاص خوبی پیدا نہیں ہوتی لیکن
ساتھ ہی مجھے یہ بھی اعتراف کر لینا چاہئے کہ یہ توجہ دلانا
محض عبث ہے جب مردوں میں رجال کربلا کی شان
نہیں ہے تو عورتوں میں خواتین کربلا کے اخلاق کی
نمائش کہاں سے آئے گی۔

بیعتِ حسینیہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

وہ لوگ جو درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کرتے
ہیں بالیقین بطور خود وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ
کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔"

واضح ہو کہ اسلام میں مسئلہ بیعت ایک خاص
اہمیت رکھتا ہے۔ پیغمبرؐ کے ہاتھ پر ہی بیعت کی گئی
علی مرتضیٰؑ نے بھی بیعت لی اور ہر اس شخص نے
جو اپنی بادشاہت کو روحانیت کا رنگ دینا چاہتا
تھا۔ اس سنت پر عمل کیا۔ حتیٰ اینکہ خزانے لٹا کر
یہ گرانبہا چیز خریدی جاتی تھی۔

تاریخیں بیان کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ کی بیعت بھی

توڑی گئی۔ علی مرتضیٰؑ کی بیعت سے یہی ہاتھ اٹھایا گیا۔ لیکن دوسروں نے جو بیعت لی۔ اس کی شکستگی بہت کم وقوع میں آئی اور اگر کہیں احیاناً آئی بھی تو پھر اس سختی کے ساتھ اس کی تلافی کی گئی کہ بیعت کرنے والوں کی حیثیت زر خرید غلام سے بدتر ہوگئی سبب اسکا یہی تھا کہ اول الذکر یعنی پیغمبر ووصی پیغمبر کے ساتھ درہم ودینار کی قوت نہ تھی۔ برخلاف اسکے دوسرے حضرات گرانبہا قیمتیں ادا کرتے تھے اور ادا کرتے رہتے تھے۔

بیعت اصل میں ایک قسم کا معاہدہ ہے عہد ہے اور اعلیٰ عہد۔ جو بیعۃ کرنیوالا اپنے ذمہ لیتا ہے روح عہد یہ ہے کہ کبھی اس حکم کی نافرمانی عمل میں نہ آئیگی جو صاحب بیعت کی طرف سے صادر ہوگا۔ قرآن میں اس عہد یا بیعت کے توڑنے پر جو وعید موجود ہے وہ صاحب نظر سے مخفی نہیں۔

روحانی مذاق کی بنا پر بیعت کی دو حالتیں ہیں پہلی حالت یہ ہے کہ بیعت کرنے والا صاحب بیعۃ کے قلب کے سامنے اپنا جسم پیش کر دیتا ہے۔ اس قسم کی بیعت میں چنداں شرافت نہیں ہے اس کی شکستگی بھی ممکن ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ بیعت کرنے والے کا دل صاحب بیعۃ کے دل کے سامنے آجاتا ہے اور اسوقت صاحب بیعۃ کے قلب میں جو نورانیت بھری ہوئی ہے۔ اس کا پرتو بیعت کرنے والے کے قلب پر پڑتا ہے اور اب یہ بیعۃ قابل شکست نہیں رہتی بلکہ ہر آن اور ہر لحظہ اس میں استحکام ہی ہوتا رہتا ہے۔

مذہب شیعہ غیر معصوم کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتا اسلئے بیعت ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ کلیۃً اپنے آپ کو صاحب بیعت کے سپرد کرنا ہے اور پھر اس شان سے کہ اسمیں قطعاً دنیا اور اسکے جاہ وجلال کا شائبہ نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے جو اصحاب خاص بیعت کرتے تھے تو ان کی بیعت کو قبول فرماتے ہوئے حضرت کی زبان سے قریب قریب یہ الفاظ صادر ہوتے تھے۔ اشاء طکم لا علی الدرهم والدینار بل اشاء طکم علی الجنۃ ونجات من النار۔ میں اس بیعت کے معاوضہ میں تم سے مال وزر کی شرط نہیں کرتا ہاں اس بات کی شرط کرتا ہوں کہ تمہیں جنت میں داخل کردوں اور جہنم سے نجات دیدوں۔ جن اصحاب باوفا سے یہ شرط کی جاتی تھی وہی اصحاب شرط کہلاتے ہیں اور جن کے سرگردہ مالک اشتر ہیں رضی اللہ عنہم۔

شیعوں نے اس مسئلہ کو ایسا بہلایا کہ گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور دوسروں نے یہانتک بڑہایا کہ ہر عامی وجاہل کو صاحب بیعت قرار دے لیا۔

یہ شبہ انتہائی ضعف یقین پر دلالت کرتا ہے کہ ہمارے سامنے کوئی موجود نہیں ہم کس سے بیعت کریں اسلئے کہ دعلے عہد اس شبہ کا ازالہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ ہم حضرت رسول اللہ نیز دیگر ائمہ علیہم السلام کو صاحب حیات ملنتے ہیں گوچہ موت ظاہری واقع ہو چکی ہو ۔

انَّ میتنا اذا مات لم یمت

ہم میں سے اگر کسی پر موت طاری ہو تو وہ میت نہیں ہوجاتا۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ حضرت حجۃ کے لئے تو ہم موت ظاہری کے بھی قائل نہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی موت تو ایسی موت ہے۔ جو سرچشمۂ حیات ہے نص قرآنی اسپر گواہ ہے پھر کونسی چیز ہمیں بیعۂ حضرت حجۃ یا بیعۂ حسینی سے روکتی ہے؟ سوائے بدبختی اور کوئی چیز نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہم بھگت ہی رہے ہیں اور کوئی کام ہی ہمارا ٹھکانے کا نہیں۔

اسوقت نہ صرف ہمارا قلب بلکہ ہمارا جسم بھی اس بیعت سے نکل چکا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عبادات جسمانیہ کی طرف سے بھی نفرت کلی ہوتی جارہی ہے خدا رحم کرے۔ تمام مواعظ ونصائح۔ پابندی مذہب اور حیات ملی کو ابہارنے والی تقریریں سب بیکار ہیں ان چیزوں کا اول تو وجود ہی کم ہوتا جارہا ہے اور اگر کہیں ہے تو محض پابندی رسوم وعادات ہے اور بس۔ اثر اسلئے مترتب نہیں ہوتا کہ قلب امام کے قلب سے محاذی نہیں ہے اب واقعاً اگر بیعت کرنا چاہتے ہو۔ یا یہ کہ ناکثین بیعت کے گروہ میں داخل نہیں ہونا چاہئے تو ذرا دل کو اس قلب عالم کے سامنے رکھدو۔ دیکھو آن واحد میں انقلاب ہوتا ہے یا نہیں یہ وہ انقلاب ہوگا جسے "من الظلمات الی النور" کہتے ہیں۔ لیکن یہ توفیق کہاں اور ایمان کی تو یہ ہے کہ جب کہنے والے کو ہی یہ توفیق نہیں تو پڑھنے والوں کو کیونکر ہوگی۔ مگر ہاں یہ ممکن ہے کہ چراغ خود تو جلا ہی کرے اور دوسرے اس سے روشنی حاصل کرلیں۔

کجی قلب کی مثال اس سے بدتر کیا ہوگی کہ جس ذوق وشوق سے ہمارا دل آجکل چند سیاسی لیڈروں کی طرف رجوع ہے اس کا عشر عشیر بھی مسلک حسینی کی طرف نہیں پھر ہم کونسے فیوض کی ان سے توقع کرسکتے ہیں۔ یہ نقص ہماری طرف سے ہے

ادہر سے نہیں ہے۔ وہ تو ایک فیض کا دریا ہے کہ لہریں
لے رہا ہے وہ ایک سدا بہار شجرۂ مقدسہ ہے جسکی شان یہ ہے

تُؤتِی اُکُلَھَا کُلَّ حِین

ہر موسم میں اپنا پھل دے رہا ہے۔ خزاں کا ہاتھ
اس تک نہیں پہنچتا۔ کیونکہ وہ بہت بلند وقیع ہے
اس امر کے حوادث زمانہ اُسمیں مُوثر ہو سکیں۔

اب اگر ہمت ہے اور اپنی دینی و دنیوی فلاح چاہتے
ہو تو فقط حسینؑ سے قلبی بیعۃ کرلو۔ پھر تمام چیزوں سے
مستغنی ہو جاؤ گے۔ تم میں خود بخود وہ تمام صفات پیدا
ہو جائینگے جن کو تم للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہو
ذوق مرحوم نے کہا اور خوب کہا ؎

آگ میں جل جاتا ہے پروانہ سا کرمِ ضعیف
آدمی سے کیا نہو لیکن محبت ہو تو ہو

بھائی یہ ساری باتیں محبت کے ساتھ ہیں اور جہاں
کہیں اس کا قدم پہنچ گیا پھر اسے زمانے کی کوئی
طاقت مٹا نہیں سکتی۔ کیسی موت۔ کیسی فنا۔ یہ چیزیں
خام کاروں کے تصورات و توہمات ہیں جو ہر عالم میں
سانپ اور بچھو بن بن کر انہیں ڈستے رہتے ہیں۔ اہل
محبت کو موت اور فنا کا کوئی خوف نہیں ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بتائیں۔ حضرات شیعہ بتائیں۔ کیا وہ اقدام
کے لئے تیار ہیں؟ مگر اس کے لئے پہلی شرط
قربانی ہے اور سب سے پہلے انہیں اس ماحول کی
قربانی کرنی پڑیگی جسمیں وہ آجکل مبتلا ہیں۔

(اڈیٹر)

اصلاح مجالس عزا

ہم زمانہ موجودہ میں ہر چیز کی اصلاح کے خواہشمند
ہیں اور یہ خواہش بری نہیں ہے مگر پہلے اس امر
کا دیکھنا لازم ہے کہ وہ کونسی شے ہے جسپر مجالس عزا
کی بنیاد رکھی گئی ہے اور اسوقت تک مجالس کا اکثر
و بیشتر حصہ بلکہ تمام مراسم عزاداری کس خیال پر قائم ہیں؟

واضح ہو کہ عزائے حسینی کی بنیاد سیاسی اسباب پر
قائم ہوئی ہے۔ نہ کوئی مفروضہ فلسفہ اسوقت پیش نظر
تھا اور نہ دماغ ان موشگافیوں کے لئے تیار تھا جو آج
کی جا رہی ہیں آل بویہ یا سلاطین صفویہ کے زمانے
میں اس کا شیوع ضرور ہوا ہے۔ جیسا کہ ہر وہ رسم

جو مذہبی ہو یا قومی ۔ حکومت کے زمانے میں اپنے شباب
پر آجاتی ہے لیکن سلاطین مذکورہ اسکی بانی نہیں ہیں سلاطین
بویہہ کے زمانے میں روز عاشورا کے اعمال جو علانیہ ادا ہوئے
یہ انکی ایجاد نہیں ہے ۔ اس سے قبل ہی یہ اعمال موجود
تھے ، بیش بریں نیست کہ ہر شیعہ اپنے اپنے گھر میں پوشیدہ
طور سے ان اعمال کو بجا لاتا تہا اور انتہائی احتیاط
کے ساتہہ انہیں پوشیدہ رکھتا تہا جسطرح کہ زیارت
قبر حسینی کی جاتی تہی ۔ ان اعمال کو علانیہ ادا کرنیکا کوئی
موقعہ ہی نہ ملاتہا ۔ جب موقعہ آیا ان کا اعلان کردیا گیا

معلوم ہے کہ سلاطین مذکورہ شیعہ تھے اور
سلطنت پر قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ شیعہ تھے ۔ عزائے
حسینی ہر شیعہ کے لئے جزو جبات تھی پس حکومت و سلطنت
سے پہلے شیعوں میں عزائے حسینی کا رسوخ کونسے
سیاسی وجوہ کی بنا پر عمل میں آیا تہا ۔ میں نہیں سمجھہ
سکتا کہ انتہائے شدت تقیہ کے زمانے میں ۔ ایک
شیعہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا سر برہنہ ۔ گریباں چاک
آستین الٹے ہوئے مشغول آہ و فغاں ہے تو انصاف
سے کہو اسوقت کونسا خیال اور سیاسی خیال اس کے
سامنے محسوس ہو سکتا ہے ؟

اگر کسی خاندان کا سرپرست بے دردی اور سفاکی
سے قتل کردیا جائے اور اس خاندان والے آنسو
بہا کر اس حرارت کو بجھانا چاہیں جو دل میں بھڑک رہی
ہے تو کونسے سیاسی اسباب پر اسکی بنیاد رکھی جائیگی
العجب ثم العجب ۔ بات یہ ہے کہ "سیاست" آجکل
بہترین شے سمجھی گئی ہے اور ایک حدتک ہے بھی ۔
دوسری مصیبت یہ ہے کہ آجکل ہر اُردو دان اخبارات
وصحائف کی بدولت آشنائے رموز سیاست ہو رہا ہے
اور یہ بلا ہر فرد پر مسلط ہے ۔ نیز مرد سیاسی چونکہ ایک زبردست
ہستی ہوا کرتا ہے ۔ لہذا ہر شخص اگرچہ سیاست کی ابجد
سے بھی واقف نہ ہو ۔ مگر رجال سیاسی کا نقال ضرور
بنتا ہے ان وجوہات پر اب ہر شے دنیا کو سیاسی ہی
سیاسی نظر آرہی ہے ۔ یعنی اب افراد زمانہ ساون کے
اندہے ہیں جنہیں ہر شے ہری دکھائی دیتی ہے ۔

اس مغالطہ کو ہرگز دماغ میں نہ آنے دو کہ عزائے
حسینی پر امور سیاسی مترتب ہوئے لہذا وہ ایک سیاسی
چیز ہے یہ نتیجہ ذہن کوتاہ کی خبر دیتا ہے ۔ اسلئے کہ ہر
وہ شے جس سے سیاسی آثار پیدا ہو جائیں یہ ضروری
نہیں ہے کہ اصلاً اسکی بنیاد بھی سیاست پر رکھی گئی
ہو یہ فلسفہ حساً واستدلالاً دونوں حیثیت سے غلط
ہے ۔ دیکھو اسلام کی روح یہ ہے کہ کفر و شرک باقی
نہ رہے ۔ اس کی غرض اصلی کفر و شرک کا مٹانا ہے ۔
اس کے ساتھ ہی آثار سیاسی بھی اسپر مترتب ہو گئے

تو کیا اس سے نتیجہ نکالو گے کہ اسلام کی بنیادیں سیاست پر رکھی گئیں ہیں۔ بعض حمقائے مغرب کا یہ خیال ضرور ہے لیکن کسی مسلمان کے دل میں تو یہ خیال نہیں آسکتا۔

استدلالی طریق یہ ہے کہ ہم پہلے ایک شکل قائم کر لیتے ہیں اور پھر نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ اس کی تحصیل مندرجہ ذیل طریق پر ہو سکتی ہے

(۱) عزائے حسینی پر آثار سیاسی مترتب ہوئے ہم اس جزو اول کو قبول کر لیتے ہیں اب دلیل کا جزو ثانی یہ ہے

(۲) کہ ہر وہ شے جس پر سیاسی آثار مترتب ہوں سیاسی ہے۔ اس جزو ثانی میں کلام ہے۔ کلام کیا معنی یہ تو قطعاً غلط ہے۔ اسلئے کہ افعال انسانی کا اغراض اصلیہ کے ساتھ ساتھ اغراض ثانویہ بھی ہوا کرتی ہیں پس اغراض اصلیہ کو بھلا دینا اور فقط اغراض ثانویہ کو زیر نظر رکھنا عاقل کا کام نہیں ہے۔

دنیوی مثال۔ لباس کی غرض اصلی یہ ہے کہ جسم کی گرمی و سردی سے حفاظت ہو۔ ساتر آلاتِ شہوانیہ ہو اور غرض ثانوی اس کی زینت بھی ہے پس غرضِ ثانوی کو ملحوظ رکھنا اور غرض اصلی کو نظر انداز کر دینا ہرگز عاقلانہ فعل نہ ہوگا اور اگر ایسا ہو۔ جیسا کہ ہو بھی رہا ہے۔ یعنی محض زینت ہی زینت سے غرض ہے تو اسی مناسبت سے فسق و فجور بھی بڑھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ حکومت امریکہ کو ایک قانون کے ذریعہ سے اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی۔

دیگر۔ زید تحصیل علم کے لئے یورپ کا سفر کرتا ہے۔ تحصیل علم اس کی غرض اصلی ہے مگر سیاحت یورپ ایک غرض ثانوی ہے۔ اب یہ کہنا کہ کہ زید کا مقصد صرف سیاحت یورپ ہے۔ اس کے حق میں ظلم ہے اور صریح ظلم۔

دینی مثال۔ نماز جمعہ و جماعت و اژدہام حج میں بہت سے تمدنی فائدے بھی ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ انہیں فوائد کے لئے شارع علیہ السلام نے یہ چیزیں قائم کیں۔ ایک نمایاں جہالت اور حماقت ہے درآنحالیکہ ان کے اغراض اصلیہ بھی موجود ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی فعل کی غرض ثانوی کو غرض اصلی قرار دینا ضعف دماغ کی دلیل ہے اسی پر قیاس کرو کہ عزائے حسینی سے اگر سیاسی آثار ظاہر ہو جائیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسی کی بنیاد ہی سیاسیات پر رکھی گئی ہے۔

آئمہ علیہم السلام اوران افراد اہلبیت نے جو واقعہ کربلا کے وقت موجود تھے۔ اس عزا کو برپا کیا۔ کونسی شے نے انہیں اس امر پر مجبور کیا؟ خود اندازہ کرو میں راضی ہوسکتا ہوں کہ اسے ایک طبعی فعل کہہ کر ساکت ہو جاؤں لیکن "سیاسی" ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ اسلئے کہ کوئی تاریخی شہادت ایسی موجود نہیں ہے جس سے بانیان عزا (آئمہ علیہم السلام) پر "سیاست" کا الزام لگایا جاسکے۔

شیعوں میں عزاداری کا شیوع ورسوخ اسی بنا پر ہوا کہ آئمہ علیہم السلام اس کے بانی تھے اور آئمہ اہلبیت کی تاسی اور ہر معاملے میں تاسی شیعوں کے لئے طغرائے امتیاز تھی جو آجکل محض برائے نام رہگئی ہے۔ اس تاسی کو ارشادات آئمہ نے اور قوی کر دیا چنانچہ ان ارشادات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات مستحبہ میں کوئی عبادت غم حسین سے بڑھکر نہیں ہے۔ حتی اینکہ یہ کہدیا گیا۔ من بکیٰ علیٰ الحسین الخ یعنی جو شخص حسین پر روئے یا رلائے یا رونے والے کی صورت بنائے اس پر بہشت واجب۔ میں اس مقام پر اس حدیث کے فلسفے سے بحث نہیں کرنا چاہتا ہیں نے اس کا ذکر اپنے مطلب کی شہادت کے لئے کیا ہے اور وہ یہی ہے کہ اس عزا کا قیام کسی سیاسی غرض کی بنا پر وقوع میں نہیں آیا بلکہ حقیقۃً اس کی بنیاد عبادت پر رکھی گئی ہے یعنی یہ ایک مذہبی عبادت کے عنوان سے شیعوں میں قائم ہوئی ہے۔ صدر اول کے شیعوں نے اسے محض عبادت بلکہ افضل ترین عبادات مستحبہ سمجھا ہے۔ وہاں سیاست تھی۔ نہ ملک گیری تھی نہ اس قسم کے خیالات تھے۔

میں نے کسی شیخ طریقت غالباً شاہ نعمۃ اللہ کرمانی کے حالات میں دیکھا ہے کہ سرزمین ایران میں ایک عرصہ تک مجاہدہ و ریاضت وچلہ کشی کے بعد وہ عراق میں آئے۔ زیارت قبر حسینی سے مشرف ہوئے اور یہاں ایک چلہ انہوں نے اس شان سے گذارا کہ سوائے اوقات نماز پنجگانہ باقی تمام اوقات میں گریہ و بکا سے کام تھا۔ گویا یہ چلہ بکا تھا۔ جسے اپنے مجاہدات سابقہ کو جلا دینے کیلئے انہوں نے اختیار فرمایا۔

المختصر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عزا حسینی کی بنیاد صرف مذہبی اعتقادات پر رکھی گئی ہے۔ اس میں سیاسیات کا کوئی دخل معلوم نہیں ہوتا۔ وہمیات اور دعادی بے جا کا علاج تو کسی کے پاس نہیں لیکن کوئی تاریخی شہادت یا کوئی اور دلیل نہیں ہے

جو ہمیں اپنے مرکز سے ہٹا دے۔ ہاں آئندہ چلکر
اگر اس سے کچھ مادی فوائد بھی ہم کو حاصل ہو گئے تو
یہ شے ہمارے دعوے کے منافی نہیں ہے بلکہ
اب ہم اس کو ایک ایسا لباس فرض کرلیں گے جو ساتر
عورت بھی ہے۔ گرمی سردی سے بھی بچاتا ہے اور
ساتھ ہی اس میں زینت کے پہلو بھی ہیں اور بس۔
اب ہم مجلس عزا یا یوں کہئے کہ عزائے حسینی کی
اصلاح کے خواہشمند ہیں تو پہلے تو ہم کو یہ فیصلہ کرنا
پڑے گا کہ عزائے جدید کی بنیاد ہم کس شے پر رکھیں
یعنی اسے ایک مذہبی عبادت سمجھیں یا ایک سیاسی
پروپگنڈا خیال کریں۔ جب تک اس امر کا فیصلہ نہو
اصلاح کی سعی و کوشش ایک ایسی ہی کوشش ہے
جیسے کوئی شخص تاریک رات میں بغیر کسی قسم کی روشنی
کے بحر ظلمات کو طے کرنے کی سعی کر رہا ہو جس میں
غرق ہونے کا گمان ہی نہیں بلکہ قریب یقین ہے
یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ اگر عزائے جدید کی بنیاد
ہم نے سیاسی پروپگنڈا پر رکھدی تو سب سے پہلا نقصان
جو ہم کو پہنچ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس شے کا کوئی خاص
احترام ہمارے قلب میں باقی نہیں رہ سکتا اسلئے
کہ سیاسی چالیں اکثر و بیشتر ایسی ہوتی ہیں جن کی حقانیت
پر خود شاطر کو بھی یقین نہیں ہوتا اگر اس سے تنہائی
میں سوال کیا جائے تو وہ ضرور کہہ اٹھے گا کہ ہاں
اس چال کو حقانیت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے
لیکن کیا کیا جائے۔ الملک عقیم۔ بادشاہت بانجھ
ہوا کرتی ہے۔ اسمیں رواداری۔ حقانیت صداقت
ایفائے عہد۔ صلۂ رحم۔ محبت تورع۔ ہمدردی۔ یہ
سب باتیں برائے گفتن ہوا کرتے ہیں۔ ہاں یہ چیزیں
بھی ظاہر ہو سکتی ہیں بشرطیکہ انکی ضرورت ہو لیکن اگر ضرورت نہو اور
وقت مخالفت کا داعی ہو تو ان صفات کی ضد
بآسانی ظاہر ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تدابیر
سیاسیہ کا کوئی خاص احترام مدبر کے قلب میں
بھی نہیں ہوتا۔ تا بدیگراں چہ رسد۔ اب ایسی ہی
تدابیر میں ہم نے عزائے حسینی کو بھی سمجھ لیا جیسا کہ بعض
افراد سمجھ رہے ہیں تو یقین کرلیجئے کہ چند روز کے بعد
اس شے کا احترام جو ہمارے قلب میں ہے رخصت
ہو جائیگا۔ اسی احترام کی بدولت یہ شے آجتک باقی
رہی ہے اگر یہ سیاسی ڈھکوسلا ہوتا تو کب سے تشریف
لے جاتا۔

اب ہر وہ قدم جو اصلاح کے لئے بڑھایا جائے
اسمیں ہمیں یہ امر مدنظر رکھنا پڑیگا کہ اس کے مذہبی
احترام میں فرق نہ آئے اور اس وقار و احترام کو مدنظر
رکھتے ہوئے ہم اصلاحات کے مجاز ہیں۔

سطور مندرجہ بالا پر نظر کرکے آپ ضرور اس نتیجہ پر
پہنچیں گے کہ لکھنے والا اصلاح کا مخالف نہیں ہے
لیکن اس امر کا طالب ہے کہ سفر کے وقت سے پہلے
ہمیں طے کر لینا پڑیگا کہ ہم کس طرف چلیں گے۔ اگر
ہم نے اسکو مذہبی عبادت سمجھا تو اصلاح کا طریقہ
اور ہے اور اگر سیاسی پروپیگنڈا تجویز کیا تو اس کا
راستہ اور۔ سیاست کا مفاد یہ ہے کہ زمانہ جس رنگ
پر چلتا ہے اسی پر تم بھی چلو۔ لیکن مذہب کی دعوت
یہ ہے کہ تم جس طریق پر چل رہے ہو اسی پر زمانہ کو چلانے
کی کوشش کرو۔ ان دونوں باتوں میں بہت فرق
ہے میرا دعویٰ یہ ہے کہ عزائے حسینی کی بنیاد مذہب
پر قائم ہے نہ کہ سیاست پر۔ مجھے کوئی دلیل ایسی نہیں
نظر آتی جو میرے اس خیال کو بدل دے۔ لہذا اب یہ
خیال نہیں ہے بلکہ عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کو مد نظر
رکھتے ہوئے میں بھی طالب اصلاح ہوں اور میرا نظریہ
حسب ذیل ہے۔

معلوم ہے کہ تمام مذہبی امور کی بنیاد ایک چیز پر
قائم ہے اور فی الحقیقۃ وہی ایک شے ہے جس پر کل اعمال
مذہبی کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ وہی روح اعمال
ہے اور وہی روح عقائد اس شے کا نام اخلاص ہے
فی المناجاۃ نجاۃ و فی الاخلاص اخلاص مناجاۃ
میں ہی نجات ہے اور اخلاص میں رہائی۔ لہذا ضروری ہے
کہ ہر امر مذہبی میں اخلاص کی روح پائی جائے۔ یہ
روح جسقدر قوی ہوگی اسیقدر اس عمل کے آثار
ترقی کرتے چلے جائیں گے اور جسقدر اس میں ضعف
ہوگا اسیقدر آثار ضعیف ہوں گے۔ حتیٰ
اینکہ گھٹتے گھٹتے وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ
اصل عمل درمیان سے نکل جائے چنانچہ عزائے
حسینی کے متعلق اب یہی کیفیت محسوس ہو رہی ہے
اگر آپ سے ہو سکتا ہے تو اسکی کیجیے اور اس اصلاح
کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک حضرات واعظین کے
سر پر ہے لیکن اس سے زیادہ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں

من نگویم کہ ایں بکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن

اتحاد اسلام

فضائے ہند میں جتنی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ انہیں میں سے نعرہ "اتحاد اسلام" بھی ہے

لیکن اپنی کج فہمی یا بد مذاقی پر مجھے رہ رہ کر تاسف ہوتا ہے کہ ان آوازوں میں کوئی دلکشی کا پہلو میرے لئے نہیں خصوصاً دعوت اتحاد اسلام کو سنکر تو آپ بالیقین ملئے کہ جی متلانے لگتا ہے۔

اچھا آپ اس بد مذاقی اور تاریک خیالی پر پہلے کامل تفریق کر لیجئے جتنے نفرت انگیز الفاظ آپ استعمال کر سکتے ہیں شوق سے کیجے مگر اس کے بعد یہ ضرور پوچھ لیجے کہ آخر اسکا سبب کیا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ وہ چیزیں جو فطریات اولیہ میں داخل ہیں جنہیں مستقلات عقلیہ کہا جاتا ہے وہ ایک بچہ کی زبان سے بھی اسیطرح ادا ہونگی جیسے ایک بوڑھے کی زبان سے تو اب ان کا دہرانا اور بار بار دہرانا ایک ایسا خشک وعظ ہے جس میں کسی قسم کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا روح قوت سامعہ سے کہتی ہے کہ وہ چیزیں میرے سامنے لا جو مجھ سے چھپی ہوئی ہوں اور یہ بار بار کے چبائے ہوئے نوالے میرے سامنے پیش ذکر کہ تحصیل حاصل ہے۔ یہی حال اس وعظ کا سمجھیے جسکا عنوان "اتحاد اسلام" ہوتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اتحاد اچھی چیز ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ایک انگلی کچھ نہیں کر سکتی۔ لیکن جب پانچوں جمع ہو جائیں تو مخالف کے منھ پر وہ "چانٹا" پڑتا ہے کہ منھ پھر جاتا ہے لیکن سوال تو یہ ہوتا ہے کہ یہ شے ظہور پذیر ہو تو کیونکر ہو۔ عمل پر ہر شخص زور دے رہا ہے عمل کی خوبیاں ہر شخص گنوا رہا ہے لیکن راہ عمل بتانیوالا کوئی نہیں یہ کوئی نہیں کہتا کہ اتحاد کیلئے فلاں نقطہ ہم نے تجویز کیا ہے۔ اس پر سب متفق ہو جاؤ۔

راہ عمل کی نمائش کے لئے داعیان اتحاد کی طرف سے جو نقطہ اتصال پیش ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک۔ رسول ایک۔ قرآن ایک۔ قبلہ ایک پھر اختلاف کیسا لہذا اتحاد ہونا چاہئے میں عرض کرتا ہوں کہ جناب عالی "ماکردیم وشد" آپ خود ہی تعجب کرتے ہیں کہ اتنے نقاط اتصال کے ہوتے ہوئے اختلاف کیسا؟ اس تعجب کے معنے کچھ آپ سمجھے؟ ہاں یہ تعجب خود دلالت کر رہا ہے کہ باوجودیکہ اتنی چیزیں موجود ہیں مگر مسلمان متحد نہیں ہوتے آپ کہتے ہیں "لہذا متحد ہونا چاہئے" میں کہتا ہوں "لہذا معلوم ہوا کہ اب ان چیزوں میں یہ صلاحیت باقی نہیں رہی کہ مسلمانوں کو متحد کر سکیں" پس آپ کا "لہذا" اور ہے۔ اور میرا "لہذا" اور

پھر میں چاہتا ہوں کہ اپنا مطلب سمجھاؤں۔ دیکھئے نا! سب مسلمان توحید کے قائل ہیں سب اسی قرآن کو مانتے ہیں۔ سب محمد ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ) کو رسول مانتے ہیں۔ سب اپنی پیشانیاں قبلہ کی طرف جھکاتے ہیں لہذا انہی چیزوں کی یکتائی کو مد نظر رکھتے ہوئے سب کو متحد ہونا چاہئے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ امور مذکورہ کا اتحاد کوئی نئی چیز ہے بہت پرانی چیز ہے۔ جب یہ تحزب اور فرقہ بندیاں عمل میں آئیں۔ اسوقت بھی دو قرآن یا دو قبلہ یا دو رسول نہ تھے لہذا یہ چیزیں جب ابتداءً تفریق اور دستہ بندی کو نہ روک سکیں تو اب صدیاں گذ جانیپر جبکہ ان اشیا کی محبت اور واقعی محبت سے مسلمان بہت دور نکل چکے ہیں انہیں اشیا سے یہ امید رکھنا کہ ہمیں یہ نقطۂ اتحاد پر لے آئیں گی نری خوش اعتقادی کی باتیں ہیں یہی تو سبب ہے کہ بڈھوں کے منہ سے یہ بچوں کی سی باتیں سنکر طبیعت میں خلجان پیدا ہوتا ہے۔

حضرت من! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ نہ قبلہ ایکسا ہے نہ قرآن ایک نہ خدا ایک ہے نہ رسول ایک اجتو ہر فرقہ کی یہ تمام اشیا جداگانہ ہیں۔ اسی واسطے ان میں صلاحیت نہیں ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر لے آئیں اور یہ بھی ناممکن ہے اور آج ہم سے ناممکن ہے کہ اس اختلاف کو دور کردیں لہذا دعوتِ اتحاد اسلام ان چیزوں کی بناپر ایک بے سود چیز بے وقت گزاری ہے اور محض سامانِ تفریح ہے

مولانا! اتحاد اسلام کے لئے قرآن و قبلہ و خدا و رسول کو تو ذرا طاق پر رکھدیجئے یہ کام آنے والی چیزیں نہیں ہیں اب تو صرف ایک طریقہ ہے۔ اگر آپکے مواعظ و نصائح اور تقریر و تحریر سے اس طریقہ پر عمل ہو گیا تو سمجھ لیجئے کہ ایک بڑی حد تک منافرت زائل ہو جائیگی ورنہ معاف کیجئے آپ آسمان سے تارے توڑ لائیں لفظوں کے انبار لگا دیں جب بھی کچھ نہ ہوگا۔ اور وہ واحد طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے احساسات کا احترام کرے۔ اور بس کوئی قبر کو پوجے کوئی پیر کی پرستش کرے آپ دخل در معقولات نہ دیں اور رواداری سے کام لیکر آنکھیں بند کرلیں۔

لکم دینکم ولی دین

میں شیعہ ہوں۔ آبائی شیعہ ہوں۔ شیعوں میں آنکھ کھولی۔ شیعوں میں پرورش پائی۔ شیعوں کے ہر طبقے سے آشنائی کے موقع ملے پس میں شیعوں کے خیالات اور ان کے حسیات سے

خوب واقف ہوں اہل ایمان کی نبض خوب پہچانتا
ہوں۔ بعض چیزیں اس فرقے کی خصوصیات ہیں
اور منجملہ ان کے سادہ لوحی ہے۔ جس کے دوسرے
معنے بے وقوفی کے بھی ہوتے ہیں۔ شیعہ اگر اس سے
برا مانیں تو میں ان سے معافی مانگ لونگا مگر عام
مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ واقعہ یہی ہے
جو میں کہہ رہا ہوں اور مزا یہ ہے کہ اس فطرت میں عالم
وجاہل سب یکساں۔

دلیل سنئے! اور اس کا تجربہ ہر شخص اپنے اپنے
دل میں کرلے۔ ایک سنی کے سامنے اگر کوئی شیعہ
حضرت عمرؓ کا ذکر کرے اور نہایت تعظیم وادب سے
ذکر کرے تو سنی بھائی اگرچہ ظاہراً نہ کہے لیکن دل
میں ضرور کھٹک جائیگا کہ یہ کمبخت میرے سامنے تو
یوں کہہ رہا ہے مگر دل میں کچھ اور ہی ہے۔ آپ
اسکو لاکھ یقین دلائیں۔ کبھی یقین نہ آئیگا۔ برخلاف
اسکے شیعوں کی حالت سنئے کسی شیعہ کے سامنے
اگر کوئی شخص حضرت امیرؑ یا ائمہ اہلبیت کی تعریف
کرے اگرچہ وہ اباضی ہی کیوں نہوں تو شیعہ اسے
سنکر ضرور خوش ہوگا اور کبھی اُسے خیال نہ آئیگا
کہ اسکے دل میں کیا ہے اور زبان پر کیا بلکہ وہ
اس امر کو یقیناً خوش اعتقادی پر محمول کرے گا۔

یہ عادت شیعوں میں کیسی ہے اور کیسی نہیں اس
سوال کی تو ضرورت ہی نہیں لیکن یوں سمجھئے کہ یہ
عادت ان میں موجود ہے اور یہی ایمان کی یہ ہے
کہ اگر ہو تو کچھ تعجب کی جگہ ہی نہیں۔ ساری دنیا
دیکر اہلبیت کو لیا ہے اگر انکی محبت میں انہیں کچھ
نشیب و فراز نہ سوجھے تو جائے ملامت ہی نہیں۔

میں جب اپنی دل کی حالت پر نظر ڈالتا ہوں
تو مجھے خود ہنسی آتی ہے۔ نصیری جو علیؑ کو خدا کہتا ہے
اور وہ بالیقین اسلام سے الگ ہے اسے دیکھ کر
یا اس کا یہ قول سنکر ہنسی تو ضرور آجاتی ہے۔ لیکن
نفرت نہیں پیدا ہوتی۔ برخلاف اسکے دشمن علیؑ سے
اور منقصر سے ایک تنفر پیدا ہوتا ہے پھر لطف یہ ہے
کہ جس میں یہ بات نہو جی چاہتا ہے کہ اس کا کان
پکڑ کر شیعوں کی صف سے الگ کردوں اس سے
بھی لطف تر یہ سنئے کہ جاہل و عالم سب اس خصلت
میں شریک ہیں۔ ۶

دکھا دو بلیلیؑ جلوہ نصیری کے خدا تم ہو

یہ مصرعہ جاہل کے سامنے پڑھے گا تو اچھنے لگے
گا کسی عالم کے سامنے پڑھیے تو وہ متانت سے
زیر لب مسکرا دے گا بس اتنا ہی فرق ہے اور کچھ
نہیں اور اگر کوئی مُلّا اس طریقہ کے خلاف چلتا ہو

تو میں یہ سمجھکر دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ بیچارے کا دماغ کثرت شست وشو سے ٹھٹھر گیا ہے۔

یہ ہے شیعوں کی طبعی حالت اور فطرت اور یہ ہے ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اسے اچھی نظر سے دیکھیں یا قبول کریں یا ایسے ہی ہوجائیں بلکہ اتنا سمجھ لیں کہ یہ شے جسے وہ محبت اہل بیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ انمیں پائی جاتی ہے

اسی محبت کا مظہر کلی عزائے حسینی ہے قریب قریب تیرہ سو برس گزرنے آئے کہ شیعوں میں یہ چیز قائم چلی آتی ہے اور اسکا بھی آپنے اندازہ کرلیا ہوگا کہ ہر دور میں کچھ نہ کچھ اس میں ترقی ہی ہوئی ہے اگرچہ محض نمائشی طور سے ہو اس لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ عزا شیعوں کی فطرت ثانیہ ہے میں اس التماس کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ہر مسلمان اس عزا میں شریک ہو۔ یا یہ کہ ہر مسلمان اسے مستحسن ہی سمجھے۔ لا اکراہ فی الدین الخ لیکن معاف کیجئے گا ان فتوؤں کے سننے کو تیار نہیں ہوں جو ہر سال محرم کے موقعہ پر مسلمانوں کی طرف سے عزائے حسینی کی مخالفت میں شائع کئے جلتے ہیں۔ ان تحریروں کو ٹھنڈے دل سے نہیں پڑھ سکتا جو سواد اعظم کے اخبارات اس موقعہ پر شائع کرتے ہیں ان کو بند تو نہیں کرسکتا۔ لیکن مجھے نفرت کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا اور یہ یقینی بات ہے کہ میں اس نفرت میں منفرد نہیں ہوں بلکہ تقریباً ہر شیعہ کا یہی حال ہے۔

تماشہ ایک اور ہے کہ سال بھر تک تو یہ لوگ اتحاد و اتفاق کی آوازیں بلند کرتے ہیں مگر محرم آتے ہی خدا جانے کونسی رگ ابھر آتی ہے کہ حنفی۔ وہابی۔ شافعی۔ مالکی۔ دیوبندی۔ بریلوی۔ چکڑالوی۔ قادیانی ڈاڑھی والے۔ آن ڈاڑھیے۔ اڈیٹر۔ نامہ نگار۔ قوال واعظ۔ صوفی۔ غیر صوفی۔ سب ہی تو طرح طرح کے بھیس بدلکر پلیٹ فارم پر آجاتے ہیں۔ اور متحدہ کوشش یہ کرتے ہیں کہ جہاں تک ہوسکے پبلک کے خیالات کو عزائے حسینی کی طرف سے مسموم کردیا جائے پچھلے دنوں ایک پمفلٹ دیکھا جو جمعیۃ العلماء کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ سارد ا ایکٹ پر بحث تھی لکھنے والا بھی کوئی باقاعدہ مولوی معلوم ہوتا تھا۔ اسمیں بھی شیعوں کی بت پرستی کا ذکر موجود اور وکالت کے پیرائے میں۔ وہ بت پرستی کیا؟ یہی تعزیہ داری۔ میں عرض کرچکا کہ یہ شے شیعوں کی فطرت ثانیہ ہے آپ کے نزدیک یہ بری ہے نا؟ بہتر آپ گھر میں بیٹھکر دعا کیجئے کہ ان بدبختوں کو نہ اللہ کا دیدار ہو

اور نہ محمدکی شفاعت قصہ ختم ہوا لیکن آپ کی طرف سے قطعاً کسی رواداری کا اظہار نہیں ہوتا۔ پھر جب نہیں ہوتا تو اتحاد شیعہ و سُنی کا وعظ ایک حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ میں ہر پہلو پر نظر ڈالتے ہوئے جہاںتک خیال کرتا ہوں وہ یہی ہے کہ اس معاملہ خاص میں جب تک مسلمانوں کی طرف سے کسی فراخ دلی اور رواداری کی نمائش نہ ہوگی اسوقت تک اس "اتحاد" کا خیال ایک خام خیال ہے۔

آج ہی جبکہ نئی تعلیم نے عموماً شعائر مذہبی کی طرف سے غافل کر رکھا ہے شیعوں میں ولائے اہلبیت کی روح عزاداری کی شکل میں موجود ہے اگر مسلمان واقعی شیعوں کے ساتھ اتحاد عمل کرنا چاہتے ہیں تو اسکا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان کے اساطین کی طرف سے محرم میں شیعوں کے مذہبی مراسم کے خلاف کوئی پروپیگنڈا نہ کیا جائے۔ اور جب تک وہ اسپر آمادہ نہ ہوں گے شیعوں کی طرف سے انکی طرف محبت کا قدم نہ بڑھے گا۔ اور امر ہے کہ اگر کوئی عام اسلامی مسئلہ پیش آجائے جیسا کہ سارد ا ایکٹ کا تہا یا ہے۔ تو اسمیں شیعوں کی طرف سے بھی آواز بلند ہو یہ کوئی اتحاد نہیں ہے بلکہ ایک ایسی اضطراری حالت ہے کہ جیسے ایک شہر کو آگ لگ جاتی ہے تو اسوقت ہر شخص بجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس عمل سے صرف اپنی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتحاد کی آوازیں محض دکھاوے کی خاطر ہوتی ہیں۔ ان میں اصلیت کچھ نہیں ہوتی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی پالیسی یا فریب کاری ہے اس لئے کہ آجکل اکثریت کو اقلیت کی کوئی پروا نہیں ہوتی گاندھی کے طرزعمل پر مسلمان ناحق بگڑتے ہیں جسطرح وہ ہندو اکثریت کے مقابل میں مسلم اقلیت کی پروا نہیں کرتا اسیطرح سواد اعظم بھی قلیل التعداد فرقہ شیعہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری برتنے کو تیار نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ ایک قلیل التعداد فرقہ اگر منظم حیثیت رکھتا ہو تو اسکا تو خواہ مخواہ لحاظ کرنا ہی پڑیگا لیکن اگر وہ قلیل التعداد بھی ہو اور اس کے ساتھ ہی منتشر اور غیر منتظم بھی تو دنیا اسے اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں ہے۔

بس اخیر میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ خدا شیعوں کی حالت پر رحم کرے یہ خانہ جنگی چھوڑیں اور کم سے کم اسی حالت پر آجائیں جسپر آج سے بیس برس پہلے تھے۔

اڈیٹر

بسم اللہ ولہ الحمد

چاند نکلا مہ محرم کا — چرخ پر خنجر الم چمکا
آئینگے وقت نزع جاں حیدر — ہم کو ہے انتظار اسی دم کا
ملک دنیا ہے خاک اے غافل — دیکھہ انجام قیصر و جم کا
لونڈیوں کو بتول اطہر کی — حق نے رتبہ دیا ہے مریم کا
ظلمت قبر ہوگئی کافور — داغ ماتم کچھہ اسطرح چمکا
ہوگی جنت میں بھی عزائے حسین — واہ کیا پوچھنا ہے اس غم کا
قطعہ
ہجر سرور میں کہتی تھی صغرا — خط بھی آئے گا شاہ اکرم کا
چھ مہینے سے ہیں سفر میں پدر — ہوچکا چاند بھی محرم کا
عید قرباں ہو روز عاشورہ — دیکھہ لوں گر جمال اب عم کا
شہ کے زخموں پہ اے عزادارو — اشک کرتے ہیں کام مرہم کا
میرا سینہ ولا کا محضر ہے — مہر محضر ہے داغ ماتم کا
جام جم کی مجھے نہیں حاجت — دل پہ حالی ہے حال عالم کا
جگر و دل کے ہوگئے ٹکڑے — حال لکھا جو کشتۂ سم کا
ہاں نہ آنا فریب شیطاں میں — یاد ہے تجھکو حال آدم کا
دیکھہ منعم فضیلت بخشش — ذکر باقی ہے جود حاتم کا
دوش عباس پر ہے وہ رایت — ابر سایہ ہے جسکے پرچم کا
ہمکو اس کی خوشی سے مطلب ہے — شوق جنت نہ ڈر جہنم کا
غم شہ میں بہادیئے دریا — حوصلہ دیکھو چشم پرنم کا
سر حر اور زانوئے سرور — کیا ستارا نصیب کا چمکا
دیکھکر جنس سوز داغ جگر — سرد بازار ہے جہنم کا
اے صفی چاک کر گریباں اب — چاند نکلا مہ محرم کا

ہر مرض کی ہے دوا خاک شفا

کان اصحاب صفا خاک شفا — جان ارباب وفا خاک شفا

قدسیوں کے سر بھی جھکتے ہیں یہاں — سجدہ گاہ اولیا خاک شفا

نسخہ اکسیر میں کیا خاک ہے — آبروئے کیمیا خاک شفا

عین عرفاں ہیں اسی کا نور ہے — چشم دل کی تو بتا خاک شفا

اسکو کعبہ پر شرف کیونکر نہو — قبلۂ اہل ولا خاک شفا

چرخ چارم پر یہ کہتے ہیں مسیح — ہر مرض کی ہے دوا خاک شفا

باغ زہرا کے بسے ہیں اسمیں پھول — ہاں کجا جنت کجا خاک شفا

ہوگئی کافور ظلمت قبر کی — شمع نورانی ہے یا خاک شفا

بوئے جنت سے کفن سب بس گیا — مرحبا صل علیٰ خاک شفا

قطعہ

کربلا کا واقعہ تو کر بیاں — داستان غم سنا خاک شفا

کارواں کوئی وہاں آیا بھی تھا — قافلہ وہ کیا ہوا خاک شفا

تیرا مہماں تین دن تک آہ آہ — نہر پر پیاسا رہا خاک شفا

حاجیوں کی ہوگئیں قربانیاں — کربلا تھی یا منا خاک شفا

ہاں بتادے تجھپہ عاشورہ کے دن — خون کس کس کا بہا خاک شفا

کس جواں کے سینہ پر برچھی لگی — کس کا دل ٹکڑے ہوا خاک شفا

نہر پر کس کا بہا پانی سا خون — ہوگئے شانے جدا خاک شفا

باپ کے ہاتھوں پہ تیر ظلم سے — چھد گیا کس کا گلا خاک شفا

کس کا سر کاٹا گیا سجدہ میں ہائے — کس کا تن روندا گیا خاک شفا

بالیاں کس کی اتاریں شمر نے — چھن گئی کس کی ردا خاک شفا

طوق تھا گردن میں کس بیمار کی — تھا مرض کس کی دوا خاک شفا

بیڑیوں سے پاؤں تھے کس کے فگار — کون کانٹوں پر چلا خاک شفا

تجھ میں ملجائے صفی کی خاک بھی — بس یہی ہے مدعا خاک شفا

مرزا بہادر علی صفی حیدرآبادی۔ مرقوم ۱۵ر ذیحجہ الحرام سنہ ۱۳۴۱ھ

اسقدر بعید ہوا کہ کسی بڑے سے بڑے مبصر کو بھی پتہ نہیں لگ سکتا کہ اس پردۂ ظلمانی میں کون چھپا ہوا ہے
یہ سیر نزولی کی انتہا ہے۔ کیونکہ مکونات عالم میں مادہ کے بعد اب اور کوئی عالم باقی نہیں جسکی سیر کی جائے
سیر صعودی۔ سیر نزولی کی آخری منزل پر پہنچتے ہی حکم ہوتا ہے "اقبل فاقبل" آؤ اب ہماری
طرف آؤ۔ اس حکم کے ساتھ ہی اس نے پھر اپنی منزل اقصیٰ کی طرف رخ کیا۔ اور حرکت شروع
کی یہاں تک کہ اسی منزل میں پہنچ گیا جہاں سے ابتدا ہوئی تھی۔ سیر نزولی کی ابتدا سیر صعودی کی انتہا
تھی۔ یہ اسی انتہا پر پہنچا۔ اور عرش سے گزر گیا۔ محبوبیت اور کرامت کا تاج جسطرح ابتدا میں اسکے
لئے تھا اسی طرح انتہا میں بھی اسی کے لئے ہے۔

قال ثم خلق الجھل من البحر الاجاج ظلمانیا فقال لہ ادبر فادبر ثم قال لہ اقبل فلم
یقبل فقال اللہ استکبرت فلعنہ؛

حضرت ابو عبد اللہ ؑ نے فرمایا کہ پھر خداوند عالم نے جہل کو ظلمانی اور تلخ و شور دریا سے خلق فرمایا
اور اس سے کہا کہ تو پشت پھرا لے اس نے پشت پھرا لی پھر فرمایا کہ ہمارے سامنے آ ہماری طرف
رخ کر لے اس نے اللہ کی طرف توجہ نہ کی۔ پس خدا نے فرمایا کہ تو نے تکبر کیا اپنے آپ کو بزرگ سمجھا
پس اسے لعنت کی اور اپنی رحمت سے دور کر دیا

واضح ہو کہ اس حدیث سے مراد جہل بسیط نہیں ہے اسلئے کہ وہ ایک امر عدمی ہے یعنی عدم
علم کا نام ہے۔ اور اسکا خلقت سے تعلق نہیں یعنی یہ کوئی شے مخلوق نہیں۔ اسیطرح جہل مرکب بمعنی
مشہور بھی یہاں مراد نہیں کیونکہ جہل مرکب وہ صورت عارضہ ہے جو خلاف واقع نفس کو عارض ہوتی
ہے۔ یعنی وہ ایک عرض ہے۔ جسکا قیام دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔ خود اسمیں صلاحیت قیام
نہیں بلکہ عقل و جہل جو اس حدیث میں مذکور ہیں وہ خود وجود عینی رکھتے ہیں۔ ایک وجود نورانی ہے
اور دوسرا وجود ظلمانی۔ وجود نورانی کی خلقت آب شیریں سے ہے اور وجود ظلمانی کی پیدائش
آب تلخ و شور سے۔ جسکی توضیح یہ ہے کہ علوم الٰہیہ میں علم کو پانی سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس
طرح عالم اجسام میں ہر شے کی حیات

پانی سے وابستہ ہے۔ اسیطرح عالمِ آخرت میں ہر شے کی حیات علم پر موقوف ہے اب عقل کی
ابتدائی حالت پر نظر ڈالو۔ اسکی خلقت نورِ ذات سے ہے جیسا کہ اسی حدیث میں بیان ہوا۔ اور یہ نورِ عین
ذات ہے اور عین علم ہے اس لئے کہ نور اور علم الفاظ مترادف ہیں اور علم کو چونکہ پانی سے مشابہت
ہے لہذا بلا تکلف کہا جائے گا کہ عقل کی خلقت ایسے پانی سے ہے جس میں کوئی کدورت نہیں
آفت نہیں۔ ظلمت نہیں۔ تلخی نہیں شوریت نہیں۔ یہ پانی آبحیات ہے۔ سرچشمہ حیات سے بہتا ہے
بلکہ عین حیات ہے۔ یہ تو عقل کی ابتدائی حالت ہے اب دوسری حالت دیکھو یعنی عالم خلق و تدریج
میں اسکی تدریجی ترقیات اور نمائش پر نظر ڈالو تو وہاں بھی انوار علوم حقہ اور تعقلات متکررہ کی بدولت
اسکی ترقی ہوتی ہے اور انہیں انوار کی روشنی میں یہ اپنے مبدء کی طرف عود کرتی ہے۔ پس عقل کا
ظہور ہر عالم میں نور علم اور آب حیات سے ہے جس میں نہ جسمانیات کی کثافت ہے اور نہ ہیولیٰ
و مادہ کی ظلمت بر خلاف اسکے جہل کی خلقت اولاً مادہ ظلمانی سے ہے جسے دریائے شور یا بحر اجاج
سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ اوّلِ خلقت میں اسمیں دونوں قابلیتیں ہیں۔ خیر کو بھی قبول کر سکتا ہے اور
شر کو بھی لیکن جب پے در پے شرارت کی موجیں اٹھتی ہیں تصدیقات کاذبہ کا قلب میں رسوخ ہوتا
ہے۔ خیالات فاسدہ کا دہواں دماغ میں بھر جاتا ہے تو اب سوائے تلخی اور شوریت کے اور کچھ باقی
نہیں رہتا اور رجوع الی اللہ کی صلاحیت اس سے سلب ہو جاتی ہے چنانچہ اسے اولاً حکم تکوینی ہوا
اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ تو پشت پھرا لے۔ عالم ظلمات کی طرف توجہ کر اس نے توجہ کی اور پوری پوری توجہ
کی لیکن جب اس سے کہا گیا۔ "اقبل فلم یقبل" ہماری طرف آ۔ اس نے اقبال سے انکار کیا
اب ظلمت راسخ ہو چکی تھی۔ انانیت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ محض جسمانیت ہی جسمانیت تھی۔ مادیات
میں غرق ہو چکا تھا تکبر اس کی شان تھی۔ اور استکبار اس کا شیوہ۔ کیسا سجدہ کہاں کا خضوع و خشوع
وعظ و نصیحت بیکار تعلیم و تربیت بے سود چنانچہ جب اس نے انکار کیا تو ادہر سے حکم ہوا کہ تو نے
اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا۔ اچھا۔ اب تو ملعون ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے ہماری رحمت سے دور۔
واضح ہو کہ توجہ الی اللہ کی شرطِ اوّل تذلّل و خاکساری ہے اور تذلّل و خاکساری کے لئے شرط ہے

کہ اپنی ہستی کو حقیر سمجھے اور انانیت میں مبتلا نہ ہو اسلئے کہ انانیت کے ہوتے ہوئے کبھی موجودہ حالت کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے عاقل پہلے ہی قدم پر اپنی انانیت سے دست بردار ہوتا ہے۔ اور جاہل اسی میں مبتلا ہو کر ترقیات سے محروم۔

ثم جعل للعقل خمسة وسبعین جندا۔ امام فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے عقل کے لئے پچھتّر لشکر مقرر فرمائے یہ لشکروہی قوی وصفات حسنہ ہیں جو منجانب اللہ عقل کو عطا ہوئے تاکہ سلوک الی اللہ میں اس کے معین ہوں۔ معلوم رہے کہ غور و فکر سے انسان اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ان صفات کا وجود عقل کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ان کی تعداد مقرر کرنا جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور اسی طرح اس کے اضداد کی تعداد کا تقرریہ فکر انسانی سے باہر ہے۔ یہ فقط نور نبوت اور مشکوٰۃ ولایت کا کام ہے۔

فلما رای الجہل ما اکرم اللہ بہ العقل وما اعطاہ اضمر لہ العداوۃ فقال یارب ھذا خلق مثلی خلقتہ وکرمتہ وقویتہ وانا ضدہ ولا قوۃ لی بہ فاعطنی من الجند مثل ما اعطیتہ فقال ھم فان عصیت بعد ذلک اخرجتک وجندک من رحمتی قال قد رضیت فاعطاہ خمسۃ وسبعین جندا۔

جب جہل نے دیکھا کہ خداوندعالم نے کن کن اشیا سے عقل کا اکرام کیا اور کیا کیا چیزیں اسے عطا کیں تو عداوت کو دل میں جگہ دی اور کہا کہ یارب یہ بھی میری ہی مثل تیری مخلوق ہے اسے تونے کرامت عطا کی قوت دی۔ میں اس کی ضد ہوں مجھے اس کے مقابلے کی طاقت نہیں۔ مجھے بھی اتنے ہی لشکر عطا کر جتنے اسے عطا کئے ہیں خدا کا حکم ہوا کہ ہاں ضرور۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر تونے نافرمانی پر کمر باندھی تو میں تجھے اور تیرے لشکر کو اپنی رحمت سے خارج کردوں گا۔ اس نے کہا میں راضی ہوں چنانچہ اسے بھی پچھتر لشکر عطا کئے۔

شبہ و دفع شبہ معلوم ہے کہ جہل اپنے تکبر و استکبار کی بدولت پہلے ہی ملعون ہو چکا ہے۔ اب وہ خواہش کرتا ہے کہ اسے بھی قوت عطا ہو۔ جسقدر فوج عقل کے زیر کمان ہے اسیقدر اس کے تحت بھی ہو۔ یہ خواہش پوری کی جاتی ہے۔ یہ دعا مقبول ہوتی ہے اور ساتھ ہی حکم دیا جاتا ہے کہ اب اگر

نافرمانی ظہور میں آئی تو رحمت کے سایہ سے مع فوج الگ کر دیا جائیگا۔ سوال یہ ہے کہ جب فوج نہ تھی وہ اسوقت بھی نافرمان تھا اور اب تو فوج مل گئی لہذا اس کی شرارت میں اضافہ ہی ہوگا۔ اس سے خیرات کی توقع ہی بیکار ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمبخت دعا مانگ کر دوہرے عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ اسی دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس کو خالق تو تسلیم کرتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی بارگاہ اس قابل ہے کہ وہاں دستِ طلب دراز کیا جائے اور اس کی دعا قبول بھی کر لی جاتی ہے لیکن باوجود اس کے بھی پھر نافرمانی کرے گے البتہ اسکو دہرے عذاب کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

اصل یہ ہے کہ عقل وجہل کے یہ لشکر جن کا مجملاً ذکر ہوا اور آئندہ جنکی تفصیل ہوگی۔ ان کے صفات مزدیہ اور آثار لازمہ ہیں انہیں ایک تمثیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور دنیا میں چونکہ قانون لاجبر ولا تفویض کے تحت ہر شے کو رکھا گیا ہے لہذا اس عالم میں عقل وجہل دونوں مختار ہیں کہ اپنے اپنے طریقوں پر سالک ہوں۔ یہ سلوک اور اختیاری سلوک چونکہ خود ایک رحمت ہے لہذا اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بجائے خود رحمت سے دوری اختیار کرنے کے مرادف ہے۔

جہل پر یہ جبر نہیں کیا جاتا کہ وہ ضرور فرماں بردار ہو جائے، بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ تجھے پیدا کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی تجھے آزادی بھی دیجاتی ہے اس نعمت کو جسطرح تیرا دل چاہے استعمال کر۔ تجھپر ہر حیثیت سے حجۃ قائم ہو چکی ہے۔

فکان مما اعطی العقل من الخمسة والسبعین الجند الخیر وھو وزیر العقل وجعل ضدہ الشر وھو وزیر الجھل ۔

وہ پچھتر لشکر جو عقل کو عطا ہوئے ہیں ان میں سے خیر ہے اور وہ عقل کا وزیر ہے۔ اس کی ضد شر کو مقرر کیا اور وہ وزیر جہل ہے۔

واضح ہو کہ عقل کی صفت مخصوص یہ ہے کہ وہ خیر محض ہے۔ اس میں کسی قسم کی بھی شریت نہیں خوبی ہی خوبی ہے برائی کا نام نہیں۔ اسلئے کہ وہ شے جو جسم وجسمانیات وعوارضِ اجسام سے قطعاً بری ہو۔ اس میں کسی نقصان کا پہلو متصور نہیں ہوتا پس ذاتِ عقل چونکہ خیر محض ہے۔ لہذا اس کی ذات سے جو افعال

اور آثار بھی ظاہر ہوں گے۔ وہ بر سبیل خیر ہی جاری ہونگے کیونکہ ان کا منبع و مصدر ہی خوبی و خیریت ذات ہے۔ پس اس پر نظر کرتے ہوئے یہ کہنا پڑیگا کہ عقل اور افعال و آثار عقل میں "خیر" کا واسطہ پڑا ہوا ہے جیساکہ پادشاہی جود و احسان وزرا کے واسطے سے رعایا تک پہنچتے ہیں۔ اسی لئے خیر کو وزیر عقل قرار دیا گیا ہے اگرچہ یہی خیر دوسرے پہلو پر نظر کرتے ہوئے عین عقل ہے یا یہ کہئے کہ عقل ہی خیر ہے۔ اسی طرح جہل سے بھی جتنے افعال ظاہر ہوتے ہیں ان سب کا منبع و مصدر شریت ذات جہل ہے اس کی ذاتی برائی ہے۔ جو تمام افعال کی ذمہ دار ہے۔ پس شر جو ضد خیر ہے وہ جہل کا وزیر ہے۔

والایمان وضدہ الکفر۔ عقل کی صفات خاصہ میں سے ایمان ہے اور جہل کی صفات لازمہ میں کفر ہے جو ایمان کی ضد ہے۔

واضح ہو کہ ایمان نور الہیہ میں سے وہ نور ہے جو حسب مشیت الٰہی بندے کے قلب پر نازل ہوتا ہے اور اس نور کی روشنی میں اسے تمام اشیا کی حقیقت نظر آتی ہے۔ اسی مرتبہ کو حکما کی اصطلاح میں حکمت نظری کہتے ہیں۔ کمالِ عقلِ نظری بھی اسکا نام ہے۔ قوت نظریہ بھی اسی سے عبارت ہے، عقل بالفعل بھی اسی کو کہتے ہیں اور عقلِ بسیط اجمالی بھی اسی مرتبہ کا عنوان ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ انسان کو ایک ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کے سبب سے معلومات حقہ کو وہ جس وقت چاہے حاضر کر لیتا ہے اور اس میں انسان کو کسی کسب و اکتساب جدید کی زحمت نہیں ہوتی۔

ایمان کی ضد کفر ہے۔ جب مغالطات کی عادت پڑ جاتی ہے، پے درپے شبہات وارد ہوتے رہتے ہیں۔ وہمیات کا غلبہ ہوتا ہے تو نفس میں ایک ملکہ راسخ ہو جاتا ہے جسے ظلماتی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اب ایک ایسا حجاب قلب پر چھا جاتا ہے کہ کسی امر حق کا ادراک نہیں کر سکتا قلبی آنکھ کسی نور کو دیکھ نہیں سکتی اور عقل کے کان ہر کلام صادق و حقیقی کی سماعت سے محروم رہتے ہیں۔

ضروری اشارہ۔ نفوس انسانیہ اپنی ابتدائی حالت کے لحاظ سے محض قابلیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں نور ایمان کے حصول کی بھی قابلیت ہے اور ظلمت کفر کے اکتساب کی بھی استعداد ہے جیسے مادہ کہ ہر صورت وضعی قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس کے بعد انسان جب کسی طریق پر

سالک ہوتا ہے تو اسی طریق کی مناسبت سے اسمیں نقوش قائم ہوجاتے ہیں لوہے کو دیکھو۔ اس میں دو شانیں موجود ہیں اسے صاف کرو۔ جلا دو آئینہ کی طرح چمک اٹھے گا۔ اسیطرح پڑا رہنے دو۔ حفاظت نہ کرو۔ زنگ لگ جائیگا۔ حتی اینکہ صاف ہونے کی صلاحیت ہی جاتی رہیگی۔ ایسے ہی نفوس کی شان میں وارد ہوا ہے کلا بل ران علی قلوبھم۔ اب یہ کیونکر درست ہو سکتے ہیں۔ ان کے دل تو زنگ آلود ہوگئے۔ یہی وہ مقام ہے جو کفر و نفاق کی آخری منزل ہے۔

ایک اور اشارہ۔ نفس انسان قابلیت محض سے ترقی کرتا ہے اور "فعلیت" میں قدم رکھتا ہے یہ ترقی اسی وقت ترقی کہلائے گی جب جانب اعلیٰ کی طرف قدم بڑھائے۔ اور جانب اعلیٰ کی طرف قدم بڑھانے کے یہ معنی ہیں کہ عالم مادہ و نفس سے گذر کر عالم ارواح یا عالم انوار میں داخل ہو اب وہ لوگ جو صرف عالم مادہ و نفس میں ہی گھرے ہوئے ہیں۔ ان پر ترقی کا اطلاق نہیں ہو سکتا اسلئے کہ معنی ترقی یہ ہیں کہ پہلی حالت چھوڑے اور دوسری میں داخل ہو۔ پہلی صورت فنا ہوجائے اور دوسری اسکی جگہ لیلے۔ اسی لئے حضرت مسیح کا قول ہے کہ کوئی شخص ملکوت سموات میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اسکی دوبارہ پیدائش نہو اسیطرح بعض حکمار متقدمین سے منقول ہے کہ جو شخص حکمت کی خواہش کرتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے نفس کے لئے دوسری فطرت پیدا کرے۔ غرض یہ ولادت ثانوی یا فطرت ثانوی یہی ہے کہ انسان نشار ظلمانی سے نکلے اور عالم نور کا سیار ہو۔ اللہ ولی الذین آمنو یخرجھم من الظلمات الی النور۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے وہ انہیں عالم ظلمات سے نکال کر عالم نور میں لیجاتا ہے۔ غرض مومن وہ ہستی ہے جسکا عالم اول نفسانی بدل چکا ہے۔ حجاب ظلمانی دور ہو چکے ہیں۔ اور اب اسکی نظر میں حق ہی حق کا جلوہ ہے لیکن کافر اسی عالم ظلمت میں گرفتار ہے اور جسقدر سعی کرتا ہے اسیقدر ظلمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہانتک کہ "ظلمات بعضھا فوق بعض" کا نقشہ نظر آتا ہے سوائے ظلمت اور کوئی شے نظر نہیں آتی۔ حتیٰ اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا۔ اپنا ہاتھ بھی اسے نہیں سوجھتا۔ اور اپنا وجود بھی اسے نظر نہیں آتا" اللھم احفظنا۔

"التصدیق وضدہ الجحود" صفات عقل میں سے تصدیق ہے اور اس کی ضد جحود

یعنی انکار ہے جو صفات جہل میں سے ہے۔ یعنی عاقل امور حقہ واقعیہ کی تصدیق کرتا ہے اور جاہل شبہات باطلہ اور وہمیات کاذبہ ایجاد کرکے ہمیشہ حق کا انکار کرتا ہے خود بھی گمراہ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کی ضلالت کا بار بھی اپنی گردن پر لیتا ہے۔

والرجاء وضدہ القنوط۔ صفات عقل میں سے امید ہے اور اسکی ضد یاس اور ناامیدی ہے۔ عاقل ہمیشہ رحمت الہی کا امیدوار رہتا ہے اور جاہل اسکی رحمت سے مایوس۔ عاقل بصیرت کی آنکھ سے شان ربوبیت کا نظارہ کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ الوہیت و ربوبیت سرچشمہ خیرات و احسان ہے ہر شے کو اسکی قابلیت کے موافق عطا ہوتا ہے۔ رحمتِ واسعہ کے دامن میں ہر شے پرورش پا رہی ہے حتیٰ اینکہ غضب کفر و جہل و شیطنت بھی اسی کی رحمت سے فیض وجود حاصل کر رہے ہیں۔ اگر تفاوت اور کمی نظر آتی ہے تو اپنی عدم قابلیت کا اثر ہے۔ لیکن جاہل کو یہ بصیرت میسر نہیں اور نہ وہ حقیقۃ الوہیتہ و ربوبیت سے آشنا والعدل وضدہ الجور۔ صفات عقل میں سے عدل ہے اور اسکی ضد جور ہے یعنی راہ حق سے منحرف ہو جانا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل بمنزلہ سلطان ہے اور یہ جنود و لشکر بمنزلہ اعوان و انصار ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جنود یا صفات حسنہ جن کا ذکر ہو رہا ہے وہ سب ایک منزلت میں نہیں ہیں بلکہ بعض بمنزلہ رئیس و اصل ہیں اور بعض بمنزلہ خدام و فروع چنانچہ عدالت جسے حسنِ خلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ تمام قوائے عملیہ میں بمنزلہ رئیس ہے۔ یہ ایک اصل ہے جس سے بہت سے فروع نکلتے ہیں۔ یہی حال جنود جہل کا سمجھنا چاہئے۔ عدالت قلب کی مثال بالکل اعتدال جسمانی کی سی ہے جسطرح مزاج جسمانی کا اعتدال اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی مرض موجود نہ ہو اسی طرح عدالت قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ کل امراض قلبیہ زائل نہ ہو جائیں اسی سلامتی کامل کا نام عدالت ہے اسی کو حُسنِ خلق کہتے ہیں اور اسی کی بدولت نجات ہے۔ اسی کی طرف حضرت پیغمبر اشارہ فرماتے ہیں۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ نیز فرماتے ہیں۔ اثقل مایوضع فی المیزان حسن الخلق۔ حسن خلق کا ہی پلہ سب سے بھاری ہوگا۔ نیز ارشاد ہوا ہے۔

افضل المومنین ایمانا احسنہم خلقا۔ ازروئے ایمان وہی مومنین افضل ہیں جنکا خلق دوسروں سے بہتر ہے۔ اسی طرح بیشمار ارشادات اسکی افضلیت پر دلالت کرتے ہیں گویا عدالت ہی ایمان کا دار ومدار ہے اس کا مفصل بیان آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو کتب اخلاق کی طرف رجوع کریں۔

الرضا وضِدّہ السخط۔ صفات عقل میں سے رضا ہے اور اس کی ضد سخط ہے یعنی اللہ سے ناراض ہونا۔

واضح ہو کہ رضا افضلِ مقاماتِ مقربین میں سے ہے۔ پس ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ قضا و قدر الٰہی پر راضی اور خوشنود رہے۔ اللہ کی شکایت نہ کرے اور جب بندہ اللہ سے راضی ہوتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے رضی اللہ عنہم ورضو عنہ اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اسکی ضد سخط کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے یعنی جو اللہ سے ناراض ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اللہ بھی اس سے ناراض ہو مگر عاقل کبھی خدا سے ناراض نہیں ہوتا اور جاہل کبھی اس سے خوشنود نہیں رہتا۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے۔ من لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی فلیعبد ربا سوای ولیخرج من ارضی وسمائی۔ جو شخص میری قضا پر راضی نہیں اور میری بھیجی ہوئی بلا پر صبر نہیں کرتا۔ اسے چاہیے کہ میرے سوا کوئی اور معبود تلاش کرے اور میرے زمین و آسمان سے نکل جائے۔

والشکر وضِدّہ الکفران۔ جنود وصفات عقل میں سے شکر ہے اور اسکی ضد کفران ہے۔

معلوم رہے کہ شکر کے تین ارکان ہیں (۱) علم (۲) حال (۳) عمل پس شکر ان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے اور ان تینوں صفتوں پر علیحدہ علیحدہ بھی شکر کا اطلاق ہوتا ہے لیکن علم ان سب کی اصل ہے۔ اسلئے علم سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال سے عمل کی نمائش ہوتی ہے اور ان ہر سہ صفات کی تشریح حسب ذیل ہے۔

علم سے مراد یہ ہے کہ اس نعمت کو پہچانے جو اسے عطا ہوئی ہے اور اس امر کا اذعان رکھے

کہ یہ منعم کی طرف سے ہے اور اس نعمت کا کوئی عطا کرنے والا بھی ہے۔

حال سے مراد وہ فرحت و سرور ہے جو اس نعمت سے حاصل ہوتا ہے۔

عمل سے مراد یہ ہے کہ جو شے منعم اور معطی کو مطلوب و محبوب ہے اسے کما حقہ بجالایا جائے۔ اور یہ عمل دل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ زبان سے بھی اور دوسرے اعضا و جوارح سے بھی۔

اب مناسب ہے کہ ہر ایک صفت کی تفصیل بھی کی جائے جس سے معلوم ہو سکے کہ مقام شکر میں یہ صفات کس حیثیت سے جلوہ ریز ہوتی ہیں۔

واضح ہو کہ ہر ایک منعم جو دوسرے کو انعام عطا کرتا ہے۔ اس کے بارے میں تین چیزوں کا علم ضروری ہے (۱) اس نعمت کا علم اور اسکی معرفت جو عطا ہوئی ہے (۲) اس امر کا جاننا کہ یہ شے انعام حاصل کرنے والے کے حق میں کس حیثیت اور کس سبب سے نعمت ہے (۳) ذات منعم کی شناخت اور اس کی صفاتِ ارادیہ کا علم جن سے یہ نعمت صادر ہوئی ہے اور یہ وہ درجات ہیں جنھیں ہر منعم کے مقابلہ میں عقل کے لئے طے کرنا ضروری ہے لیکن خدا کے بارے میں یہ درجہ اسوقت تک طے نہ ہوگا جب تک اس امر کی معرفت نہ حاصل ہو کہ جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ وہی منعم حقیقی ہے اور جسقدر اسباب و وسائط درمیان میں پڑے ہوئے ہیں وہ سب کے سب اسی کے مسخر ہیں اور اسی کے محکوم ہیں یہ وہ درجہ معرفت ہے جو فوقِ درجۂ تقدیس و توحید ہے اور تقدیس و توحید اس میں داخل ہیں اور اس کی توضیح یہ ہے کہ معارفِ ایمانیہ میں مرتبۂ اول تقدیس ہے اور تقدیس کے یہ معنی ہیں کہ انسان جب جان لیتا ہے کہ عالم وجود میں ایک ایسی ذات ہے جو جسمانیات سے۔ تغیرات سے غرض ہر قسم کے نقصانِ امکان سے بری ہے۔ اسوقت وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ایک ہی ذات ہے جو مقدس ہے اور اس کے ماسوا کوئی مقدس نہیں۔ یہ توحید ہے۔ گویا تقدیس سے توحید پیدا ہوتی ہے اور معارف ایمان کا پہلا زینہ تقدیس ہے اور دوسرا توحید۔

مقام توحید میں داخل ہو کر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ ہر موحد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسکی نگاہیں توحید افعال کا ہی نظارہ کر رہی ہوں۔ توحید افعال کے یہ معنے ہیں کہ لا مؤثر فی الوجود

الا اللہ عالم ہستی میں سوائے ذاتِ خداوند عالم اور کوئی موثر نہیں۔ تاثیر بخش نہیں سوائے اسکے کوئی منعم حقیقی نہیں اور جو کچھ اس کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے وہ نعمت ہی نعمت ہے۔ پس معرفت خداوندی کا یہ تیسرا زینہ ہے جس میں تقدیس و توحید کے ساتھ ساتھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس کی قدرت ہر لحاظ سے کامل ہے اور ہر انعام وجود و بخشش میں وہ منفرد اور اکیلا ہے بعض روایات میں یہ اشارہ وارد ہوا ہے اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ جو "سبحان اللہ" کہے۔ اس کے لئے دس نیکیاں ہیں اور جو لا الہ الا اللہ کہے اس کے لئے بیس نیکیاں ہیں۔ اور جو "الحمد للہ" کہے۔ اس کے واسطے تیس نیکیاں ہیں۔ —

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ نیکیاں فقط زبان ہلانے کا معاوضہ نہیں ہیں بلکہ ضروری ہے کہ ان کے معانی پر غور کیا جائے۔ چنانچہ کلمۂ "سبحان اللہ" تقدیس پر دلالت کرتا ہے اور لا الہ الا اللہ معرفتِ توحید پر دال ہے اور "الحمد للہ" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں الغرض یہ معرفت کاملہ جو شکر کا ایک رکن اولین ہے اس امر پر بھی شامل ہے کہ افعال میں کوئی اسکا شریک نہیں۔ پس جو شخص معرفت کے اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ بعین الیقین جانتا ہے کہ شمس اور قمر و نجوم اسی کے محکوم و مسخر ہیں اور سحاب و باران و زمین و دریا و حیوانات سب اس کے سامنے خاضع و خاشع اور اپنے اختیارات میں مضطر یا اپنے افعال میں مجبور پس منعم حقیقی سوائے اس ذات یکتا کے اور کوئی نہیں اور معطی حقیقی وہی ہے اور صرف وہی۔ یہ ہے وہ شکر جو بحیثیت علمی انسان پر بقدر امکان واجب ہے۔

رکن دوئم۔ یعنی حال۔ سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ علم کا ثمر حال ہے اور یہ فرحت و سرور کی وہ حالت ہے جس میں خضوع و خشوع کی شان بھی شامل ہے۔ اور یہ رکن خود تنہا بھی شکر ہے جیسا کہ علم جو اسکی اصل ہے خود بھی شکر ہے اور شکر کا ایک رکن بھی۔ یہی حالت اس کی سمجھئے۔ مگر اس میں کچھ شرطیں ہیں۔ اسلئے کہ جو انعامات الٰہی انسان کو عطا ہوتے ہیں۔ مثلاً قوت۔ صحۃ بدن۔ سلامتی اعضا مال۔ اولاد۔ حذم و حشم وغیرہا۔ اسوقت جو سرور حاصل ہوتا ہے۔ تو اسکے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔

(۱) یہ کہ خود اس نعمت پر نظر ہو کہ یہ خود لذیذ ہے کہ اغراض نفسانیہ کے موافق ہے (۲) اس سبب سے سرور و فرحت حاصل ہو کہ یہ چیزیں عنایت و رحمت ربانی پر دلالت کرتی ہیں (۳) اس سبب سے مسرت ہو کہ ان اشیاء کا استعمال اطاعت الہی میں کیا جائیگا اور یہ موجب ترقیات درجات قرب ہو سکتی ہیں۔

یہ تین درجے ہیں جو اس سرور و مسرت کے متعلق پیدا ہوتے ہیں ان میں سے پہلے درجہ کو قطعاً شکر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں محض خواہش نفس مقصود ہے اور منعم سے کوئی علاقہ نہیں جیسا کہ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے اور دوسرا درجہ شکر میں داخل ہے کیونکہ اس فرحت وسرور میں منعم پر بھی نظر ہے لیکن فقط ذاتِ منعم ہی سے علاقہ نہیں ہوتا بلکہ اس انعام پر بھی نظر ہوتی ہو۔ چنانچہ اکثر صالحین اور نیک بندوں کی یہی حالت ہے کہ وہ اللہ کی اس کے عقاب سے خوف اور اس کے ثواب کی امید کی بنا پر عبادت کرتے ہیں۔ اب رہا تیسرا درجہ جو اس مقام میں شکر کامل ہے وہ یہ ہے کہ بندہ نعمتِ الہی سے اسلئے مسرور ہوتا ہے کہ وہ اسکے ذریعے سے مقام قربِ الہی پر فائز ہو سکے گا یہی ایک مرتبہ اعلیٰ ہے اور یہی درجۂ اقصےٰ جو اس مقام شکر میں متصور ہوتا ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ انسان اسی ساز و سامانِ دنیا کو پسند کرتا ہے جو آخرت میں ثمر دے سکے اور قرب الہی کا وسیلہ بن سکے۔

رکن سوئم۔ عمل بیان ہو چکا ہے کہ حال سے عمل پیدا ہوتا ہے۔ یعنی بندہ جب منعم کی عنایات کو اپنے اوپر مبذول دیکھتا ہے تو لامحالہ روح عمل میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور اسکی تین حالتیں ہیں۔

عمل قلبی۔ اس مقام میں قلب کا عمل یہ ہے کہ ہمیشہ اسکی نیت امور خیرات کی جانب متوجہ رہے ہمیشہ اس امر پر مائل رہے کہ مخلوق الہی کے ساتھ احسان کرونگا۔ مصنوعاتِ الہیہ میں غور و تفکر و تدبر کرتا رہے اور اس کے آثار لطف و رحمت کیجانب ہمیشہ نگراں ہو۔

عمل زبان۔ زبان کا عمل یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ وہ کلمات جاری رہیں جو اس کی حمد و ثنا پر دلالت کرتے ہیں۔

عمل اعضاء۔ اعضاء وجوارح کا عمل یہ ہے کہ یہ نعمتِ الٰہی اس کی راہ میں استعمال ہو۔ اعضاء کو معصیت الٰہی میں صرف نہ کیا جائے۔ کسی معصیت میں ان کی اعانت نہو حتیٰ اینکہ آنکھوں کا شکریہ ہے کہ وہ صنعت الٰہی اور تلاوت کتاب الٰہی میں استعمال ہوں۔ کانوں کا شکریہ ہے کہ آیاتِ الٰہی اور احادیث نبویہ اور علوم حقہ کی سماعت میں انہیں صرف کیا جائے اسی طرح ہر عضو کے شکر کو قیاس کرلو۔ مطلب یہ ہے کہ ہر عضو اس کی اطاعت میں محو رہے اور کسی خلاف اطاعت امر میں اس کا استعمال نہ ہو۔

یہ ارکان ثلثہ جن کا بیان ہوا ان میں سے ہر ایک بجائے خود بھی شکر ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ اور مجموعی حیثیت سے بھی شکر ہے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے اس مقام شکر پر جو بندہ فائز ہوتا ہے۔ وہ ضرور اس امر کا مستحق ہے کہ اسے "عبداً شکورا" کہہ کر یاد کیا جائے۔ شکر کرنے والا اگر بڑا شکر کرنے والا بندہ۔ ایسے ہی بندوں کی نسبت فرماتا ہے۔ "وقلیلٌ من عبادی الشکور" بہت قلیل ہیں وہ بندے جو شاکرین میں داخل ہیں ؎

اگر ہر موئے تن گردد زبانے زشکر تو نیاید یک نشانے

باوجود اس تمام کدوکاوش کے یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ بندہ سے خالق کا شکر محال ہے اسلئے کہ ہر شکر پر ایک نیا شکر واجب ہوتا چلا جاتا ہے۔

تنبیہ ضروری۔ اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ محمدؐ وآل محمدؐ صلوٰت اللہ علیہم اجمعین پر عندالذکر صلوات واجب ہے یا مستحب۔ ایک گروہ وجوب کا قائل ہے یعنی حضرت پیغمبرؐ کا نام سنتے ہی درود وصلوات واجب ہے اور ایک گروہ استحباب کا قائل ہے۔ قائلین استحباب یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وجوب کسی طرح پورا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ درود میں بھی نام آتا ہے اور نام آتے ہی پھر درود واجب ہوجاتا ہے۔ لیکن اس شبہ کو دور کرنے کے لئے یہ مسئلہ شکر غالباً کافی ہوسکے۔ اسلئے کہ شکر منعم بالاتفاق واجب ہے اور یہ وجوب بھی ایسا ہے کہ اس کا پورا کرنا طاقت بشری سے باہر ہے۔ اسلئے کہ ہر شکر پر ایک نیا شکر واجب ہوجاتا ہے۔ پس جو شکل یہاں ہے وہی صورت صلوات

میں سمجھ لی جائے۔

شکر کے مذکورہ بالا بیان کو مد نظر رکھ کر ہر عاقل اس کی ضد سے بھی واقف ہو سکتا ہے جو کفران ہے اور اسی طرح اس کے بھی تین ارکان ہیں۔

(۱) جہل۔ جو ان ارکان میں اصل ہے جسطرح ارکان شکر میں علم کو اصلی قرار دیا گیا ہے۔ جہل کے معنی یہ ہیں کہ نہ وہ نعمت کا شناسا ہے نہ منعم کی معرفت رکھتا ہے اور نہ انعام کو پہچانتا ہے اور اگر نعمت کو نعمت ہی سمجھے تو اسے خدا کی دی ہوئی نعمت نہیں سمجھتا بلکہ دوسرے اسباب کے حوالے کرتا ہے۔

(۲) حال اس جہالت سے جو حالت پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ منعم کی طرف سے سوء ظن میں مبتلا رہے اور ہمیشہ اس سے وحشت کرے۔

(۳) عمل اس حالت سے عمل جو پیدا ہوتا ہے اسکی شان یہ ہے کہ قلب ہمیشہ معاصی الہی کی نیت کیلئے وقف ہو۔ زبان ہمیشہ منعم کی شکایت میں مبتلا ہے اور اعضا و جوارح ہمیشہ مخالف احکام میں صرف ہوں۔

والطمع وضدہ الیاس۔ عاقل کی صفات حمیدہ میں سے صفت طمع ہے۔ اور طمع کا عقل کے لشکر میں شمار ہے۔ اس طمع کی ضد یاس ہے۔

طمع کے معنی یہ ہیں کہ مومن عاقل ہمیشہ مغفرت کی آرزو کرتا ہے۔ ہمیشہ طالب رہتا ہے کہ کرم و جود الہی کی اسپر بارش ہوتی رہے۔ چنانچہ حضرت خلیل کی تمنا قرآن میں درج ہے والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین۔ وہ خدا ہے جس سے میں طمع کرتا ہوں وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے۔ اسی شان سے ادعیہ ماثورہ میں بھی اس صفت کا بیان ہوا ہے۔ اس کی ضد یاس و حرمان اور رحمت الہی سے ناامیدی ہے جو اعظم گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ فرمایا ہے ولا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ رحمت الہی سے سوائے کافر اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

والتوکل وضدہ الحرص۔ جنود عقل اور صفات عاقل میں سے توکل ہے اور اس کی ضد حرص ہے۔

واضح ہو کہ توکل دین کی ایک بہترین منزل ہے اور اگر مقربین کے درجات اعلیٰ میں اسکا شمار کیا جائے تو قطعاً صحیح ہے اسلئے کہ یہی وہ صفت ہے کہ علمی حیثیت سے اگر اسپر نظر ڈالی جائے تو نہایت غامض اور دقیق ہے اور اگر عملی حیثیت سے دیکھو تو اسپر عمل کرنا نہایت شاق و دشوار کوئی جوانمردی اس میدان میں ٹھہرے تو ٹھہرے ہر شخص کا حوصلہ نہیں کہ صفت کا حامل ہو سکے

علمی حیثیت سے جو یہ مسئلہ نہایت غامض ہے اسکا سبب یہ ہے کہ انسان کی نگاہ اس دنیا میں اسباب و وسائل پر ضرور پڑتی ہے۔ اور ایک ایک قدم پر انسان انہیں اسباب سے متوسل ہوتا ہے۔ حالانکہ ان پر اعتماد رکھنا شرک میں داخل ہے لیکن انہیں بالکلیہ ترک بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ امر ترک ادب میں داخل ہے اور شریعت کے مخالف ہے۔ پس ایسی حالت میں معنیٰ توکل کی تحقیق کہ توحید و عقل سے بھی دوری نہ ہو اور شرع کی مخالفت بھی لازم نہ آئے۔ مشکل ہے اور سخت مشکل۔

آیات قرآنیہ جو توکل کے وجوب اور اسکی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں، بہت ہیں۔ مثلاً فرماتا ہے وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکل کرو۔ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ایمان والے اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اسکے لئے بس ہے۔ ان اللہ یحب المتوکلین۔ اللہ متوکلین کو دوست رکھتا ہے۔

اب خود اندازہ لگا لیجئے کہ متوکل کے لئے اس سے بڑھکر اور کونسا درجہ ہوگا کہ اللہ اسے دوست رکھتا ہے اسی طرح احادیث بھی توکل کے بارے میں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

واضح ہو کہ تمام ابواب ایمانیہ و مقامات دینیہ کی طرح توکل میں بھی تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی (۱) علم (۲) حال (۳) عمل۔

علم سے مراد ایمان ہے۔ اسلئے کہ ایمان کے معنی ہی تصدیق کے ہیں اور جب یہ قوی ہوتا ہے تو اسوقت اسے یقین کہتے ہیں۔ اس یقین کے فروع بہت ہیں لیکن توکل کی جن پر بنیاد ہے وہ تین ہیں (۱) توحید (۲) قدرت کاملہ پر ایمان (۳) جود و حکمۃ الہی پر ایمان۔ چنانچہ ان تینوں کیفیتوں کی مندرجہ ذیل کلمہ خبر دیتا ہے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو کل شیء قدیر۔ اس کلمہ کی

حقیقۃً قلب میں جلوہ گر ہوتے ہی وہ ایمان کامل ہو جاتا ہے جسپر توکل کی بنا ہے۔ اور اس نور توحید پر فائز ہوتے ہی بندے پر کھل جاتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی فاعل حقیقی نہیں۔ موجودات میں سے ہر شے اسی کے قبضۂ قدرت میں اسیر ہے۔ جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم۔ پس جب اس توحید و حکمت و قدرت کا انکشاف ہوا اور بندے کا دل ان انوار سے چمک اٹھا۔ قوت بصیرت تیز ہو گئی اسوقت شیطان خائب و خاسر ہو کر پلٹ جاتا ہے اور وہ صفت جلوہ گر ہوتی ہے جسے توکل کہتے ہیں۔ پس علم اس کی اصل ہے اور عمل اسکا ثمرہ۔

توکل کے معنی میں اہل علم کی عبارتیں مختلف ہیں لیکن لب لباب اور تحقیق مقام یہ ہے کہ یہ لفظ وکالت سے مشتق ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو ہم نے اپنا وکیل قرار دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے امور اس کے تفویض کر دیئے۔ دعا میں وارد ہے رب انی توکلت علیک وفوضتُ امری الیک۔ بار الہا میں نے تجھپر توکل کیا اور اپنا کام تیرے تفویض کر دیا مجھے سونپ دیا۔ یہ دوسرا جملہ "تفویض" گویا پہلے کی شرح ہے اب یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا وکیل مقرر کرتا ہے تو ضروری ہے کہ تین باتیں اس کے پیش نظر ہوں اسلئے کہ بغیر ان باتوں کے اسکا قلب مطمئن نہیں ہو سکتا

اوّل یہ کہ موکل کو یقین ہو کہ وکیل میرے نفع و نقصان سے واقف ہے اور مجھے نیک صلاح دیسکتا ہے۔

دوئم اس امر کا اطمینان ہو کہ جو امر موکل کیلئے مفید ہے وکیل اسکو عمل میں لاسکے گا۔

سوئم۔ یہ کہ وکیل کو اپنے موکل سے محبت ہے اور وہ اسپر مہربان ہے۔

اب جسقدر ان صفات کا وکیل معتقد ہوگا اسیقدر موکل کے اطمینان میں زیادتی ہو گی اسی مثال جزئی پر نظر کرتے ہوئے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ اللہ پر توکل کرنے کی کیا صورت ہے اگر انسان کو اعتقاد کامل ہو کہ سوائے خدا کے اور کوئی فاعلِ مستقل نہیں۔ اسپر یہ راز کھل جائے کہ خدا جمات مخلوق کا عالم ہے اور ان کی کفایت پر قادر ہے۔ اسے یقین ہو کہ اسکی عنایت و رحمت ایک ایک ذرے کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے نہ اس کی قدرت سے بڑھکر کسی کی قدرت نہ اسکے علم سے فوق کوئی علم اور نہ اسکی عنایت و رحمت سے بڑھکر کسی کی عنایت و رحمت بلکہ کل قدرتیں کل علوم و کل عنایات و رحمات اس کے

مقابلے میں محض نمائشی اور لاشئے اسوقت انسان نہ غیر خدا کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے نہ اپنے ہی نفس کی طرف اس کی توجہ ہو سکتی ہے اور نہ اپنی حرکت وقوت پر اسکی نظر جا سکتی ہے۔ اسوقت لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنے بندے پر منکشف ہو جاتے ہیں اور اسوقت انسان ایسی جنتِ معنوی کی سیر کرتا ہے جسکی توضیح لفظوں میں ممکن نہیں اب دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے۔ توکل کی تین حالتیں ہیں۔

(۱) وہ توکل جو موکل کو اپنے وکیل پر ہوتا ہے۔ اس درجہ میں وکیل پر بھی اسکی نظر رہتی ہے اور نفس کا ت پر بھی۔ یعنی وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنی دکالت کے لئے وکیل منتخب کر لیا ہے۔

(۲) وہ توکل جو بچے کو ماں پر ہوتا ہے۔ اس درجہ میں فقط وکیل پر نظر رہتی ہے اور اپنے توکل یا انتخاب وکالت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۳) متوکل کی یہ حالت ہو جاتے جیسے کہ میت غسال کے ہاتھوں میں ہوتی ہے وہ اسے جدھر چاہتا ہے کروٹ دیتا ہے۔ میت کو قطعاً کسی قسم کا عذر یا کسی طرح سے چون وچرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ درجہ توکل درجۂ اعلیٰ ہے۔ اس درجہ میں کل اسباب ووسائل ووسائط متوکل کی نگاہ میں فانی ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود اپنا نفس بھی اس کے لئے کوئی حکم نہیں رکھتا۔

بیان ضروری۔ ظاہر ہے کہ جب تمام اسباب ووسائل کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور ان تمام چیزوں کو ہیچ اور پوچ سمجھ لیا جائے۔ یقین ہو جائے کہ انسان کا ارادہ خدا کے ارادہ کو بدل نہیں سکتا۔ مشیت عبد مشیت معبود کو متغیر نہیں کر سکتی۔ پھر اسباب سے توسل بیکار دعائیں فضول۔ مانگنا عبث۔ سعی وتعب جہل۔ فی الحقیقۃ واقعہ بھی یہی ہے۔ لیکن جو لوگ اس درجہ پر فائز ہیں وہ سعی وتدبیر ودعا وکوشش وطلب میں مبتلا نظر آتے ہیں اس کا سبب محض امتثال امر ہے وہ اس فرمان کو پورا کر رہے ہیں جو انہیں دیا گیا ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں اسلئے کہ حکم ہوا " ادعونی استجب لکم۔ تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ وہ سعی کرتے ہیں اسلئے کہ ارشاد ہوا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ انسان کے لئے وہی چیز مہیا ہوگی جس کے لئے وہ ساعی ہوگا۔ وہ طلب رزق میں مشقت اٹھاتے ہیں اسلئے کہ زبان نبوت سے سن چکے ہیں۔ الکادّ لعیالہ کالمجاھد فی سبیل اللہ اپنے عیال کے لئے کد وکاوش

النجاة اردو
نماز امیر المومنین
نماز جعفر طیار، نماز ہائے شکر
نماز آیات۔ نماز استسقاء۔ دعائے
دعائے صحیفہ۔ ادعیائے حضرت آدم و
موسیٰ و ابراہیم و جناب رسالتمآب وغیرہ
جمیع مطالب قیمت
مقتل سادات ہر دو حصہ
ابو القلم منیر زیدی الواسطی دہلوی
مالک مطبع یوسفی دہلی کے قلم سے مخصوص رنگ میں
ڈوبی ہوئی واقعات کربلا کی وہ تاریخ جسکا ہر صفحہ
مکمل مجلس کا اثر رکھتا ہے اور جسکی زبان اردو میں
کوئی کتاب طبع نہیں ہوئی قیمت
ہر دو حصہ
سندی تحفۃ العوام جدید
مصدقہ جناب مولانا مولوی سید محمد ہارون صاحب قبلہ
طالب نجات مومنین میں بیحد مقبول ہوئی ہے حاشیہ پر نیچے
تمام استخارہ سجادیہ صفحہ بصفحہ ہے ہدیہ بجائے کے
رفاہ عام کیلئے کر دیا گیا ہر گھر میں ایک جلد
کی ہر وقت ضرور رہنی چاہیے
صحیفہ کاملہ مترجم
ان دعاؤں کا مکمل مجموعہ جو عبد و معبود کے درمیان
رابطہ خاص پیدا کرتی ہیں اور علماء و مجتہدین شیعہ کی
اصطلاح میں زبور آل محمد اور انجیل اہلبیت کے نام سے
یاد کی جاتی ہیں دعائیں جلی قلم ترجمہ اردو
بین السطور ہدیہ
حرز المومنین اردو
حضرات ائمہ طاہرین کے اس عہد مقدس کی
بیش بہا دعاؤں کا مجموعہ جب ہر درد کی دوا اور ہر مشکل
کی کنجی کلام الہی کو سمجھا جاتا تھا نہایت اعلیٰ کاغذ
نہایت خوشخط جسکے دیکھنے ہی سے آنکھوں میں
نور آتا ہے قیمت
وظائف الابرار مترجم
ہفت سورہ مترجم شیعہ و ادعیہ منقولہ یعنی سورہ
یٰسین، فتح، عم، واقعہ، ملک، رحمن، منزل، جوشن کبیر، جوشن صغیر
دعائے کمیل، دعائے مشلول، حدیث طوبیٰ، دعائے توسل
دعائے صنمی قریش، حرز جناب امیر سب مترجم معہ
اسناد بزبان اردو قیمت
تفسیر عمدۃ البیان
قرآن مجید کی مکمل تفسیر جو دس پارہ کی تین جلدوں میں
ہر آیت کو جلی قلم سے درمیان میں لکھا ہے یہ تفسیر زبور و
تفسیر اہلبیت اردو میں لکھی ہے ہندوستان میں اس سے بہتر اردو
شیعہ تفسیر نہیں مل سکتی ہدیہ ہر سہ جلد سولہ روپیہ
قریب ہی دوسرا ایڈیشن بھی نکلے
تاریخ اعثم کوفی اردو
کوفی مورخ حنفی نے جناب رسالتمآب کی
چشم مبارک بند ہونیکے بعد تینوں خلافتوں کی حالت
کو بے نقاب کیا ہے اور دکھایا ہے کہ کسطرح دنیائے
اسلام نے مجبور ہو کر خلافت مرتضوی کو
تسلیم کیا قیمت
منیجر یوسفی پریس دہلی
جملہ کتب بالا و علاوہ ازیں دیگر کتب شیعہ کیلئے صرف منیجر یوسفی پریس دہلی کا پتہ یاد رکھیے

... کتاب ہے نہ اپنے ہی نفس
... ہے۔ اسوقت لاحول
... ی جنبتِ معنوی کی
... ہالتیں ہیں۔
... کا

تمام مجتہدین شیعہ کا مصدقہ ترجمۂ قرآن مجید

(۱) فقیہ الملۃ حضرت مولانا السید محمد باقر صاحب قبلہ علی اللہ مقامہ مجتہد العصر والزماں۔

(۲) قدوۃ العلماء حضرت مولانا السید آقا حسن صاحب قبلہ علی اللہ مقامہ مجتہد العصر والزماں۔

(۳) نجم الملۃ والدین حضرت مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ دامت برکاتہم مجتہد العصر والزماں۔

(۴) صدر المحققین حضرت مولانا السید ناصر حسین صاحب قبلہ زاد مجدہ العالی مجتہد العصر والزماں۔

(۵) نیر العلماء حضرت مولانا السید ظہور حسین صاحب قبلہ دامت برکاتہم مجتہد العصر والزماں۔

(۶) ناشر علوم الدین حضرت مولانا السید محمد ہادی صاحب قبلہ مجتہد العصر والزماں۔

(۷) صدر المفسرین حضرت مولانا السید علی الحائری صاحب قبلہ مجتہد العصر والزماں دامت برکاتہم۔

(۸) یوسف الملۃ حضرت مولانا السید یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی مجتہد العصر والزماں۔

(۹) سرکار شریعتمدار حضرت مولانا السید سبط نبی صاحب قبلہ عم افاداتہم مجتہد العصر والزماں

اور جسکے حواشی پر ائمہ اثنا عشر صلوۃ اللہ علیہم اجمعین کے زریں اقوال وارشادات مع حوالہ کتب موثقہ مثل کافی الصافی۔ شرح نہج البلاغہ۔ امالی۔ مجمع البیان۔ علل الشرائع۔ الجوامع۔ تفسیر عیاشی۔ تفسیر قمی۔ کتاب التوحید۔ المعانی۔ اخبار الرضا۔ الاحتجاج۔ الاکمال۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ۔ فصل الخطاب سونے پر سہاگہ کا کام دے رہے ہیں وہ صرف

قرآن مجید مقبول ترجمہ مترجمہ حضرت مولانا السید مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم ہے

علاوہ ازیں جہاں جہاں اقوال مترجم نے حواشی پر مخصوص چاشنی پیدا کردی ہے اسکا لطف وہ حضرات خوب جانتے ہیں جنہوں نے منبر رسول پر اس بلبل علم و قبول کو گھنٹوں چہکتے سنا ہے الحمد للہ کہ آٹھ سال بعد مسلسل ۶ ماہ کی کوشش سے یہ قرآن مجید پھر طبع ہوگیا اس عرصہ میں کہ پانچ روپیہ فی جلد کے حساب سے بھی کوئی جلد نہیں ملی بالفعل ہدیہ عہ غیر مجلد اور عہ مجلد چرمی رد ہلی

المشتہر

منیجر مطبع یوسفی دہلی